

فضائل رمضان وروزہ

برکات و ثمرات

انوار و تجلیات

www.KitaboSunnat.com

تالیف و پیشکش

شیخ محمد منیر قمر صلی اللہ علیہ وسلم

ترتیب و تدوین

شیخ محمد منیر قمر صلی اللہ علیہ وسلم

توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

فضائل رمضان وروزہ

☆ انوار و تجلیات ☆ برکات و ثمرات

تالیف و پیشکش

شیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترتیب و تدوین

شکیلہ قمر

ناشر

توحید پبلیکیشنز، بنگلور

حقوق اشاعت بحق مؤلف محفوظ ہیں

فضائل رمضان وروزہ

شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

شکیلہ قمر

ابو محمد شاہ دستار

۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء

توحید پبلیکیشنز، بنگلور

❖ نام کتاب

❖ تالیف و پیشکش

❖ ترتیب و تدوین

❖ کمپوزنگ و کورڈزائین

❖ طبع اول

❖ تعداد

❖ ناشر

❖ قیمت

❖ ہندوستان میں منے کے پتے ❖

1-Tawheed Publications,
S.R.K.Garden, Phone# 26650618
BANGALORE-560 041

2-Charminar Book Center
Charminar Road, Shivaji Nagar,
BANGALORE-560 051

3.Darul Taueyah
Islamic Cassettes, Cds & Books
House, Door# 7, 1st Cross
Charminar Masjid Road
Sivaji Nagar Bangalore-560 051
Tel: 080-25549804

4-Tel: 2492129, Mysore.

1-توحید پبلیکیشنز

ایس. آر. کے. گارڈن

فون: ۲۶۶۵۰۶۱۸، بنگلور۔ ۵۶۰ ۰۴۱

2-چارمینار بک سنٹر

چارمینار روڈ، شیواجی نگر، بنگلور۔ ۵۶۰ ۰۵۱

3-دار التوعية

اسلامی سی۔ ڈیز، کیسیٹس اور بک ہاؤس۔

نمبر: ۷، فرسٹ کراس، چارمینار مسجد روڈ

فون: ۰۸۰-۲۵۵۴۹۸۰۴

شیواجی نگر، بنگلور۔ ۵۶۰۰۵۱

4-میسور، فون: ۲۴۹۲۱۲۹

Emailto:tawheed_pbs@hotmail.com

آئینہ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	فہرست	3
۲	حرفِ گفتنی	7
۳	فضائلِ رمضان و روزہ : انوار و تجلیات، برکات و ثمرات	9
۴	① قرآنِ کریم کی رو سے	9
۵	فرضیتِ روزہ	9
۶	قرآنی احکام و مسائلِ روزہ	10
۷	ترغیبِ دعاء	12
۸	② حدیثِ شریف کی روشنی سے	14
۹	فرضیت و رکعتِ روزہ	14
۱۰	③ فضائل و برکات اور فوائد و ثمراتِ رمضان و روزہ	15
۱۱	۱) اخلاص اللہ کا منفرد مظہر	15
۱۲	۲) غیر متزلزل ایمان اور اسکی جزاء	16
۱۳	۳) اخلاقی و روحانی تربیت کا مہینہ	18
۱۴	اندازِ تربیت	19
۱۵	۴) ریفریشر کورس	21
۱۶	۵) روزہ داروں کا مقام و مرتبہ اور منصبِ عالی	22
۱۷	۶) ابلیس اور جہنم کے سامنے ڈھال	24
۱۸	۷) منہ کی بو	24
۱۹	۸) دوہری فرحت و مسرت اور دیدارِ الہی	25
۲۰	۹) مہمانِ خصوصی	26

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
27	روزہ داروں کیلئے خصوصی دروازہ (VIP Gate) اور مقام صدیق رضی اللہ عنہ.....	۲۱
28	ابواب جنت ورحمت کا کھلنا.....	۲۲
29	ابواب جہنم اور شیاطین کا بند ہونا.....	۲۳
29	بست و کشادگی شرح و تفصیل.....	۲۴
31	سوال.....	۲۵
31	جواب.....	۲۶
33	ماہ رمضان: ماہ قرآن.....	۲۷
33	حکیمانہ فیصلوں کی رات.....	۲۸
41	لیلۃ القدر کی فضیلت، ہزار ماہ سے زیادہ اجر و ثواب.....	۲۹
43	لیلۃ القدر کی عدم تعیین.....	۳۰
48	شب نزول قرآن کی دعاء.....	۳۱
49	اختفاء لیلۃ القدر کی حکمت و مصلحت.....	۳۲
50	پہلی حکمت.....	۳۳
51	دوسری حکمت.....	۳۴
51	تیسری حکمت.....	۳۵
51	چوتھی حکمت.....	۳۶
51	نزول قرآن کی کیفیت.....	۳۷
54	تدریجی نزول کی حکمتیں.....	۳۸
56	بکثرت تلاوت و خیرات کا مہینہ.....	۳۹
57	شفاعتِ صیام و قرآن.....	۴۰
58	نماز، ہنگامہ کے اہتمام کی تربیت.....	۴۱
59	نمازیوں کی اقسام.....	۴۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۳	[1] آٹھ کے نمازی.....	59
۴۴	[2] اکٹھ کے نمازی.....	60
۴۵	[3] تین سو ساٹھ کے نمازی.....	60
۴۶	[4] کھاٹ کے نمازی.....	60
۴۷	[5] ٹھاٹھ کے نمازی.....	60
۴۸	(۱۹) روزہ کے طبی فوائد و ثمرات.....	61
۴۹	(۲۰) روزہ کے نفسیاتی فوائد و ثمرات.....	62
۵۰	(۲۱) روزہ کے اقتصادی فوائد و ثمرات.....	63
۵۱	ترک روزہ پر وعید.....	63
۵۲	اللہ ﷻ، رسول ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی لعنت و پھٹکار.....	66
۵۳	بچوں کے روزے.....	68
۵۴	آج کے مسلمان۔۔ ایک لمحہ فکر.....	70
۵۵	لفظِ رمضان کا لغوی معنی.....	71
۵۶	ماہِ رمضان کی وجہ تسمیہ.....	72
۵۷	ماہِ رمضان کو صرف رمضان کہنا.....	73
۵۸	حدیث نمبر ۸۱۰.....	75
۵۹	ایک اشکال یا احتمال.....	77
۶۰	اس کا حال.....	78
۶۱	پہلا فائدہ.....	79
۶۲	دوسرا فائدہ.....	79
۶۳	تیسرا فائدہ.....	80
۶۴	لفاظِ رمضان کو ٹھہر کی اضافت کے بغیر لانے کا فائدہ.....	81

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۵	خلاصہ کلام.....	81
۶۶	الصوم ”روزہ“ کا لغوی معنی.....	81
۶۷	الصوم ”روزہ“ کا شرعی و اصطلاحی معنی.....	82
۶۸	شک کے دن کا یا اسلامی و استقبال کا روزہ.....	83
۶۹	ایام رمضان کی تعداد.....	85
۷۰	رویتِ حلالِ رمضان و عید.....	87
۷۱	رویتِ حلالِ رمضان کی شہادت.....	88
۷۲	رویتِ حلالِ عید کی شہادت.....	89
۷۳	فیصلہ کن بات.....	92
۷۴	ایک نادر صورت.....	92
۷۵	دوسرے مقام کی رویت.....	94
۷۶	اختلافِ مطالع کا اعتبار.....	94
۷۷	مطالع میں اختلاف کیلئے مسافت.....	95
۷۸	علماء و فقہاء احناف کی نظر میں.....	96
۷۹	ندوة العلماء کا ایک اجلاس.....	100
۸۰	ٹکست و ریخت.....	101
۸۱	کبھی ایسا بھی ہوتا ہے.....	103
۸۲	پس چہ باید کرو؟.....	103
۸۳	طویل الاوقات علاقوں میں روزہ.....	105
۸۴	رویتِ حلال کی دعاء.....	108
۸۵	اندازِ دعاء.....	109
۸۶	مصادر و مراجع.....	111



حرفِ گفتنی

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ، وَنُسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ
أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ،
وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

أَمَّا بَعْدُ:

قارئین گرامی! السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہ رمضان المبارک اور روزہ کے فضائل و مسائل اور اس موضوع سے متعلقہ ضعیف
ومن گھڑت احادیث پر مختصر انداز کے ہمارے دور سائل شائع ہو کر آپ تک پہنچ چکے ہیں، جبکہ یہ
اسی سلسلہ کا تیسرا سالہ یا کتاب ہے جس میں ہم نے تفصیل کے ساتھ ماہ رمضان المبارک اور
روزہ کے انوار و تجلیات، فضائل و برکات اور فوائد و ثمرات ذکر کر دیئے ہیں۔

یہ کتاب دراصل ہماری ان ریڈیائی تقاریر کا ایک حصہ ہے جو متحدہ عرب امارات کے
ریڈیو ام القیوین کی اردو سروس سے روزانہ پروگرام ”دین و دنیا“ کے تحت نشر ہوئیں۔ پہلے
ریڈیو اور پھر کیسٹوں، سی ڈیز اور ڈی وی ڈی کے ذریعے ہمارے سامعین نے ان تقاریر سے
استفادہ کیا اور اب ہم انہیں اپنے قارئین کی خدمت میں کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت
حاصل کر رہے ہیں۔ اور اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس خدمت کو شرف قبول سے نوازے
اور ہم سب کیلئے اسے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔

اس کتاب کی موجودہ شکل و تدوین پر ہم اپنی لخت جگر بشکلیہ قمر کے شکر گزار اور اسکے لیے

دعاء گو ہیں۔ بَارَكَ اللَّهُ فِيْ أَوْقَاتِهَا وَأَعْمَالِهَا وَتَقَبَّلَهَا مِنْهَا وَوَفَّقَهَا لِلْمَزِيْدِ.

ہم اپنے دوست جناب ابو محمد شاہد ستار صاحب (کانو کمپنی، الخبر) کے شکر گزار ہیں، جنہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود بڑے خلوص و محبت کے ساتھ بعض دیگر رسائل کی طرح ہی اس کتاب کی کمپوزنگ کی۔ فَجَزَاهُ اللَّهُ فِي الدَّارَيْنِ وَوَهَبَ لَهُ مِنْ الصَّالِحِينَ.

ایسے ہی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے دوست جناب محمد رحمت اللہ خان صاحب (ایڈووکیٹ، الخبر) کا شکریہ ادا نہ کریں، جن کا خلوص و محبت اور دعائیں ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہیں اور جو ہماری کتابوں، سیڈیوں اور کیسٹوں کو ہندوستان میں عام کرنے کے جذبے سے سرشار شب و روز مصروف کار رہتے ہیں۔ بَارَكَ اللَّهُ فِيْ جُھُوْدِهِ وَأَوْقَاتِهِ۔ آمین
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

الخبر، سعودی عرب ابو عدنان محمد منیر قمر نواب الدین

۱۱ صفر ۱۴۲۳ھ ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

۲۴ اپریل ۲۰۰۲ء وداعیہ متعاون، مراکز دعوت و ارشاد

الدام، الظہران، الخبر



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فضائل رمضان وروزہ



انوار و تجلیات ☆ برکات و ثمرات

ماہ رمضان المبارک اور روزے کے بیشمار فضائل و برکات اور فوائد و ثمرات ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر تو خود کتابِ الہی قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے اور کچھ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں مذکور ہیں۔ اور اخروی و روحانی فضائل و برکات کے ساتھ ساتھ روزے کے بہت سارے مادی و طبی فوائد و ثمرات اور منافع و مفادات بھی ہیں، جن کا تذکرہ آگے چل کر اپنے اپنے مقام پر آتا جائے گا۔

① قرآنِ کریم کی رو سے

سب سے پہلے آئیے قرآنِ کریم کے اُس حصہ کا مطالعہ کریں، جس میں رمضان و روزہ کے نہ صرف فضائل و برکات ہی کا تذکرہ ہے بلکہ روزے کے کتنے ہی مسائل و احکام بھی آگئے ہیں۔ قرآنِ کریم کا وہ حصہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۸۳ سے لیکر ۱۸۷ تک ہے۔

فرضیتِ روزہ:

اس حصہ کی پہلی ہی آیت میں روزے کی فرضیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

(سورۃ البقرہ: ۱۸۳)

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم میں تقویٰ و پرہیزگاری کی صفت پیدا ہو۔“

قرآنی احکام و مسائل روزہ:

اگلی آیات میں روزے کے مختلف احکام و مسائل ذکر کیے گئے ہیں چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دُوتِ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۖ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۖ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

(سورۃ البقرہ: ۱۸۴)

”یہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں، پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے، اور طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کر لے، وہ اس کے لیے بہتر ہے، لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔“

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں جب لوگ ابھی روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ رعایت دے رکھی تھی کہ چاہے تم خود روزہ رکھو یا فدیہ میں کسی مسکین کو کھانا کھلا دو۔ تمہیں اختیار ہے، مگر تمہارے لیے بہتر روزہ رکھنا ہی ہے۔ اور جب لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت ختم فرمادی اور حکم دے دیا کہ روزہ ہی رکھنا ہوگا۔ اس طرح اس رخصت و رعایت کو اس سے اگلی ہی آیت نے منسوخ کر دیا جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول مروی ہے جسکی رو سے بظاہر یوں

لگتا ہے کہ وہ اس آیت میں نسخ کے قائل نہیں، بلکہ وہ اسے محکم مانتے تھے۔ (1)

جبکہ انہی سے ایک دوسری روایت بھی ثابت ہے جس سے انکا یہ نظریہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نسخ کے قائل تھے، جیسا کہ تفسیر ابن جریر، المنشی ابن جارود اور سنن کبریٰ بیہقی میں عزرہ کے طریق سے انکا قول مروی ہے۔ (2)

شیخ محمد ناصر الدین البانی نے ارواء الغلیل میں ان ہر دو قسم کی روایات کے مابین جمع و تطبیق ذکر کر کے اس اشکال کو بھی رفع کر دیا ہے، جسکی تفصیل مذکورہ کتاب کی جلد چہارم کے صفحات ۷ تا ۲۵ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جہاں دیگر کئی اہم موضوعات بھی آگئے ہیں۔
غرض روزے یا فدیے کے اختیار کی رخصت کو منسوخ کرنے والی اگلی ہی آیت میں ارشاد الہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ﴾

(سورة البقره: ۱۸۵)

”رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس ماہ میں (مقیم و تندرست) ہو، اسکے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے۔“

آیت کے اس حصہ میں اللہ نے فدیے والی رخصت کو ختم کر دیا، البتہ مریض و مسافر کیلئے رخصت قضاء کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا:

(1) صحیح البخاری مع الفتح ۷/۸، ۷۹، ارواء الغلیل ۷/۴ و ما بعد۔

(2) الارواء ۱۸/۴۔

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورة البقرہ: ۱۸۵)

”اور ہاں تم میں سے جو شخص مریض یا مسافر ہو، اسے دوسرے دنوں میں (قضا روزے رکھ کر) یہ گنتی پوری کرنا ہوگی۔ اللہ کا ارادہ تمہارے لیے آسانی کرنے کا ہے سختی کا نہیں (وہ چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کر لو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اسکی بڑھائیاں بیان کرو اور اسکا شکر کرو۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں (اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ) کہنی چاہئیں۔ (3)

ترغیب دعاء : دعاء کی قبولیت کو روزے کے ساتھ چونکہ ایک خاص مناسبت ہے، لہذا

روزے کے احکام کا بیان مکمل کرنے کے مابین ہی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

(سورة البقرہ: ۱۸۶)

”(اے نبی!) جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں (تو فرمادیں کہ) میں بہت ہی قریب ہوں، میں ہر پکارنے والے کی دعاء و پکار کو قبول کرتا ہوں جب کبھی بھی کوئی مجھے پکارے، پس لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، اس سے انہیں رشد و ہدایت نصیب ہوگی۔“

(3) تفسیر ابن کثیر اردو ۲۵۵/ طبع مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعائیں کرنے کی طرف مختصر سا اشارہ کرنے کے بعد پھر سے احکامِ رمضان و روزہ کا بیان شروع کر دیا اور فرمایا:

﴿حُلِّ لَكُمْ لَيْلَةُ الصَّيَامِ الرَّفْتُ إِلَى نِسَائِكُمْ، هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ، عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ، فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَتُمُوا الصَّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ، وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ، تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا، كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾

(سورة البقرہ: ۱۸۷)

”روزہ کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی بیویوں سے ملنا حلال کیا گیا ہے، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم انکا لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا ہے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا ہے۔ اب تمہیں اپنی بیویوں سے مباشرت کرنے اور اللہ کی لکھی ہوئی چیز (اولاد) کو تلاش کرنے کی اجازت ہے۔ اور تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ (رات کے) سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔ اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مساجد میں اعتکاف کیے ہوئے ہو۔ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی مت جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی و پرہیزگار بن جائیں۔“

اس آیت کے جن الفاظ میں مذکور ہے کہ ”تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا ہے“ اس حصہ کا مفہوم اس پس منظر کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتدائے اسلام میں افطار سے لیکر نمازِ عشاء تک کھانا پینا اور جماع کرنا جائز تھا اور اگر کوئی اس سے پہلے ہی سو گیا تو نیند آتے ہی سب حرام ہو گیا۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قدرے مشقت ہوئی اور ان سے خطائیں بھی سرزد ہوئیں، جنہیں خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابن کثیر اور دیگر کتب تفسیر میں حضرت قیس اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے واقعات بھی منقول ہیں کہ وہ کس مشقت میں مبتلا ہوئے اور کیا خیانت کر بیٹھے۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس مشقت کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور روزے کی راتوں میں اکل و شراب اور جماع کی عام اجازت دے دی اور سابقہ خطاؤں کو معاف کرنے کا اعلان بھی فرمادیا۔⁽⁴⁾

② حدیث شریف کی روشنی میں

فرضیت و رکنیتِ روزہ:

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت و فضائل اور بعض مسائل سے متعلقہ قرآنی آیات کی طرح ہی ہمارے نبی رحمت ﷺ کی احادیث میں بھی رمضان المبارک کے روزے فرض قرار دیئے گئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ فرض قرار دیئے گئے ہیں، بلکہ انہیں اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن کا درجہ دیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ

مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ وَ

حَجَّ الْبَيْتِ) (5)

(4) تفصیل کیلئے، تفسیر ابن کثیر ۲/۲۶۲-۲۶۳ اردو۔

(5) الارواء ۳/۲۳۸، مشکوٰۃ بتحقیق البانی ۱/۱۰۱۔

یاد رہے کہ رمضان المبارک کے روزے ۲۷ ماہ شعبان کی دو تارنخ بروز پیر فرض کیے گئے تھے۔ (6)

حدیث رسول ﷺ میں رمضان المبارک اور روزے کے بیشمار فضائل و برکات اور فوائد و ثمرات بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

[illegible]

(6) نیل الاوطار ۲/۲/۱۸۶، فقہ السنۃ ۱/۲۳۳۔

منفرد عبادت ہے کہ ایک وقت اس کا تعلق ظاہر سے بالکل ہی ٹوٹ جاتا ہے اور صرف عابد و معبود کا باہمی معاملہ ہی رہ جاتا ہے۔ مثلاً والدین، بہن، بھائیوں اور بیوی بچوں یا دوست و احباب کے ساتھ مل کر سحری کھائی، مگر جب وہ باتھ روم، کچن یا کسی بھی مقام پر تنہا ہے تو بنی نوع انسان تو کیا تمام مخلوقات میں سے کوئی پرندہ تک بھی اُسے نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ ایسے میں جب باہر شدت کی دھوپ اور گرمی ہو تو انسان کا نفس امارہ اسے یہ طفل تسلیاں دیتا ہے کہ اس تنہائی میں اگر تم ٹھنڈے پانی سے شاد کام ہو لو، تو کون دیکھ رہا ہے؟ اور کس کا ڈر ہے؟ عین اُسی وقت روزہ دار کا ذاتِ الہی پر غیر متزلزل ایمان آڑے آتا ہے۔ اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور اُسے جھنجھوڑ کر بتاتا ہے کہ اس تنہائی میں پانی پینے میں بھی اُس ذات کا ڈر ہے کہ جو شہ رگ سے بھی قریب تر ہے اور پانی کے منہ سے پیٹ تک جانے کے راستے میں ہی جس کا گھر ہے۔ کیونکہ سورہ ق، آیت ۱۶ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾

”ہم تو اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

۲) غیر متزلزل ایمان اور اسکی جزا:

اس یکسوئی و تنہائی کے لمحات میں اگر اسے فکرِ آخرت اور خوفِ الہی نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے لطیف و خبیر اور علیم و رقیب ہونے پر اس کا مضبوط و محکم ایمان نہ ہو تو وہ کبھی بھی روزے کی تکمیل نہ کر پائے۔ یہ دولتِ ایمان ہی کا کرشمہ ہے کہ آتشِ بارگرمی اور تشنہ کامی میں بھی وہ روزہ دار کو ٹھنڈے پانی سے شاد کام نہیں ہونے دیتا اور ایک گھونٹ بھی گلے سے نیچے نہیں اُتارنے دیتا۔ یہ امتیازی اور انفرادی حیثیت تمام عبادات میں سے صرف روزے کو ہی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری و مسلم اور نسائی کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((كُلَّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ)) (7)

”بنی آدم کا ہر عمل اُسی کیلئے ہے، سوائے روزے کے، وہ محض میری خوشنودی کیلئے ہی ہوتا ہے اور اسکا اجر و ثواب بھی خود میں ہی دوں گا۔“

بخاری شریف میں اس حدیث قدسی کی ایک اور روایت کے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

((يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِيْ. الصِّيَامُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا)) (8)

”میرا بندہ کھانا پینا اور حلال شہوت کو پورا کرنا بھی میری رضا کی خاطر چھوڑ دیتا ہے۔ روزے میری رضا کیلئے خاص ہیں اور انکی جزاء بھی خود میں ہی دوں گا اور ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔“

صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

((كُلَّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ يَدْعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ)) (9)

”بنی آدم کے ہر نیک عمل کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیا جاتا ہے۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک دیا جائے گا، لیکن اللہ کا ارشاد ہے: سوائے روزے کے، وہ محض میری رضا کیلئے سرانجام پاتا ہے اور اسکا اجر و ثواب بھی خود میں ہی دوں گا۔ کیونکہ وہ شہوت اور کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔“

اندازہ فرمائیں کہ روزے کی اس امتیازی و انفرادی حیثیت و مقام میں دوسرا کوئی عمل اسکا کیا مقابلہ کر پائے گا؟

(7) بحوالہ ریاض الصالحین مراجعۃ الارناؤ ووطص ۸۷۷ طبع دار المامون، دمشق و صبح الجامع ۱۱۹/۲۲۔

(9) ایضاً۔

(8) بحوالہ سابقہ۔

(۳) اخلاقی و روحانی تربیت کا مہینہ:

انبیاء و رسل صَلَوَاتُ اللہِ وَسَلَامُہُ عَلَیْہِم اَجْمَعِیْن کی بعثت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی اور بے ہمتائی اجاگر کرنا، اخلاق انسانی کو سنوارنا اور اخلاقی اقدار کو فروغ دینا ہے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے بھی اپنی بعثت کا یہی منصب جلیل اور مقصد عظیم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ الادب المفرد امام بخاری، مستدرک حاکم، شعب الایمان بیہقی، مسند احمد، مؤطا مالک اور طبقات ابن سعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ صَالِحَ (مَكَارِمِ) الْأَخْلَاقِ)) (10)

”میں مکارم اخلاق (صالح اخلاق) کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔“

یوں تو سبھی ارکان اسلام ہی انسان میں اخلاقی و روحانی اقدار کے فروغ و ارتقاء کا کام کرتے ہیں، مگر روزہ ایسی عبادت ہے کہ یہ باقی ارکان کی نسبت اخلاقیات کے اتمام و تکمیل کیلئے سب سے اہم تربیت گاہ اور ایک طویل ٹریننگ ہے، بلکہ اگر ماہ رمضان کے روزوں کو ”ریفریشر کورس“ کا نام دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

دیکھ لیجئے کہ اقرار توحید و رسالت اگرچہ مسلمان ہونے کیلئے شرطِ اوّل ہے، مگر پوری زندگی میں صرف ایک ہی بار فرض ہے۔ نماز ہے تو وہ بھی چند منٹوں میں ادا ہو جاتی ہے، اور روزانہ کی پنجگانہ نماز پر صرف ہونے والا کُل وقت ایک گھنٹہ بھی نہیں بنتا۔ زکوٰۃ سال بھر میں صرف ایک بار ادا کی جاتی ہے اور حج اگرچہ عوام الناس سے کافی وقت لے لیتا ہے، لیکن جو لوگ باحیثیت اور اصحابِ دولت و ثروت ہیں، وہ اپنے تیز تر وسائل کی بناء پر مہینوں کی اس مسافت اور عبادت و ریاضت کو ہفتہ عشرہ میں ہی سمیٹ کر فریضہ حج و عمرہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو سکتے

(10) صحیح الجامع الصغیر لابانی ۲/۲۸۵ و سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ لابانی ۵/۷۱

ہیں اور اگر بحری یا بری راستوں سے وادیِ حجاز اور حرمین شریفین تک پہنچنے اور حج بیت اللہ میں صرف ہونے والے کل وقت کا اندازہ لگائیں تو بھی کھینچ تان کر یہ دو تین ماہ ہی بنتے ہیں، جبکہ یہ حج بھی ایک مسلمان کی زندگی میں اس پر صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے لیکن روزہ۔۔۔۔۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو کہ سن تمیز و رشد سے لیکر تا دمِ واپسین ہر مسلمان پر ہر سال رمضان المبارک کا پورا مہینہ فرض ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

”تم میں سے جو شخص ماہِ رمضان کو (مقیم و تندرست ہونے کی حالت

میں) پائے وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔“

اس ارشاد کی تعمیل ہر سال ایک ماہ یعنی کم از کم تین سو ساٹھ (۳۶۰) گھنٹے کیلئے مسلمان سے اسلامی قواعد و ضوابط کی پابندی سے ہی ممکن ہے، کیونکہ اگر ایک روزہ کا وقت صرف بارہ (۱۲) گھنٹے شمار کیا جائے، تو تیس (۳۰) دنوں کے مہینہ کی صورت میں حالتِ روزہ کے اتنے (۳۶۰) گھنٹے ہی بنتے ہیں۔ اور یہ طویل ریاضت انسان میں تطہیرِ قلب، تصفیہِ باطن، تہذیبِ نفس اور ایسے اوصافِ حمیدہ و محاسنِ جلیلہ پیدا کر دیتی ہے، جو حقیقتاً بلند اخلاقی کا طرہ امتیاز ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روزہ انسان میں تقویٰ و پرہیزگاری کی صفت پیدا کرتا ہے، جو سب سے قیمتی چیز ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی روزے کا فلسفہ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ہی بتایا ہے۔ ”تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔“

اندازِ تربیت:

ماہِ رمضان اخلاقی و روحانی تربیت و ٹریننگ کا مہینہ ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے روزے کے آداب اور قواعد و ضوابط کو پیش نظر رکھنا ہوگا، مثلاً صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ

نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا كَانَ يَوْمٌ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصُحَبْ، فَإِنْ سَاءَ بِهِ أَحَدٌ
أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ)) (11)

”تم میں سے جب کسی نے روزہ رکھا ہوا ہو، تو اسے چاہئے کہ فحش گوئی
و بدکلامی اور سو قیہ زبان درازی نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا شخص اُس سے
گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا کرنا بھی چاہے، تو وہ اسے کہہ دے کہ بھئی! میں تو
روزے سے ہوں۔“

صحیحین و سنن کی اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو زبان پر کٹرول
کرنے اور اس کے تحفظ کا حکم فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ فحش گوئی و بدکلامی، گالی گلوچ اور لڑائی
جھگڑے سے کُلی طور پر پرہیز کرنا روزے کے آداب میں سے ہے۔

ایسے ہی صحیح بخاری، سنن ابی داؤد و ترمذی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
ہی مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ
طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (12)

”جو روزہ دار روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے
سے باز نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے (اور بھوکا
پیا سا مرنے) کی کوئی ضرورت نہیں۔“

اس ارشادِ گرامی میں یہ بتا دیا کہ روزے کی حالت میں جھوٹ نہ بولنا بھی قبولیتِ
روزہ کی ایک شرط ہے اور اگر کوئی شخص روزہ بھی رکھے اور جھوٹ بھی بولتا جائے تو اسے روزے کا

(11) بحوالہ ریاض الصالحین، ص ۴۸۵ صحیح الجامع ۲/۱۱۹۔

(12) ریاض الصالحین ص ۴۷۵ صحیح الجامع ۲/۱۹۹۔

ثواب نہیں ہوگا، وہ خواہ مخواہ ہی بھوک و پیاس برداشت کر رہا ہے۔

معلوم ہوا کہ روزہ صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ طلوع صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے سے منہ بند کر لیا جائے، بلکہ روزے کے کچھ اور بھی تقاضے ہیں جو اسکی قبولیت کیلئے ضروری بھی ہیں بلکہ یوں کہہ لیں کہ صرف منہ پیٹ اور شرمگاہ کا ہی روزہ نہیں بلکہ تمام اعضائے جسم کا روزہ ہونا چاہیئے۔ روزہ دار زبان سے فحش گوئی، دروغ گوئی و کذب بیانی یعنی جھوٹ بولنے، گالی گلوچ کرنے، غیبت و چغلی کھانے سے قطعی پرہیز کرے۔ دل و دماغ کو آوارگی و بدخیالی سے روکے اور تصورات کی دنیا میں خوابوں کے محل تیار کرنے اور جسمانی و ذہنی عیاشی سے باز رہے۔ آنکھوں کو پریشان نظری سے بچائے۔ ٹی وی، وی سی آر اور انٹرنیٹ وغیرہ پر فلم بینی کرنے اور راہ چلتی عورتوں کو تاڑنے اور تانک جھانک کرنے سے بچے اور اپنے کانوں کو ناجائز باتوں، نازیبا و ناروا آوازوں، گیتوں، گانوں اور موسیقی یا سازوں سے محفوظ رکھے اور جس طرح چغلی کھانے سے زبان کو روکے، اسی طرح ہی چغلی سننے سے کانوں کا تحفظ کرے۔ کیونکہ یہ تمام برائیاں جہاں معاشرتی ناسور کی حیثیت رکھتی ہیں وہیں یہ سب امور آدابِ روزہ کے بھی خلاف ہیں۔

جو شخص مہینہ بھر اپنے آپ کو ان برائیوں سے بچاتا رہے گا اسکی ایک طرح کی ٹریننگ یا تربیت ہو جائے گی، جو ان برائیوں سے بچنے کے لیے سال بھر اسکے کام آئے گی اور اتنے میں پھر یہ ماہِ مبارک آجائے گا۔

۷) ریفریشر کورس:

ماہِ رمضان المبارک کی ہر سال آمد بھی ربِّ کائنات کا ایک احسانِ عظیم ہے کیونکہ دید و شنید کی باتیں اور آموختہ سبق کو بھول جانا انسانی فطرت کا خاصہ ہے، جیسا کہ معروف ہے:

(الْإِنْسَانُ مُرْكَبٌ مِّنَ الْخَطَا وَالنِّسْيَانِ)

”انسان خطا و بھول سے مرگب ہے۔“

اور گاہے ماہے اسے یاد دہانی کی ضرورت رہتی ہے، جیسے سرکاری تعلیمی اداروں کے اساتذہ کو بھی کبھی کبھی ایک مختصر سا کورس کرایا جاتا ہے تاکہ انکی خوابیدہ تدریسی صلاحیتوں کو جلا دی جائے اور وہ پھر سے تندہی کے ساتھ تدریسی فرائض و خدمات سرانجام دینے لگیں۔ اس کورس کو ہی ”ریفریش کورس“ کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہی سال کے گیارہ مہینوں میں مسلمان کی عملی قوتوں میں آہستہ آہستہ ضعف و کمزوری در آتی ہے، تو اتنے میں اللہ کی کرم گستریوں اور عنایتوں کا مہینہ ”رمضان المبارک“ پھر آ جاتا ہے جو روزہ داروں کیلئے اخلاقی و روحانی تربیت گاہ یا ریفریش کورس کا کام کرتا ہے، انکی عملی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرتا ہے اور انہیں پھر سے نئے جوش و جذبہ اطاعت کے ساتھ میدان عمل میں لا کھڑا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ماہ مبارک کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

5) روزہ داروں کا مقام و مرتبہ اور منصبِ عالی:

سابقہ سطور میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ رمضان المبارک اخلاقی و روحانی ٹریننگ یا تربیت کا مہینہ ہے اور دیگر ارکان اسلام کی نسبت یہ ایک طویل اور کٹھن کورس ہے اور یہ بھی ایک عام دنیا داری اصول اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ کوئی کورس جتنا مشکل اور طویل ہو، اس پر ملنے والا منصب بھی اتنا ہی اعلیٰ اور معزز ہوتا ہے اور ایسا کورس پاس کرنے والوں کو بآسانی کوئی نہ کوئی گزٹڈ پوسٹ یا باعزت سروس مل جاتی ہے۔ اسی طرح ہی روزہ داروں کا یہ کورس قدرے کٹھن اور مشکل محسوس ہوتا ہے تو قانون و دستورِ الہی میں روزہ دار کیلئے انعامات اور مناصب بھی بہت بڑے بڑے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ذکر کیا ہے، جس میں وہ فرماتا ہے:

((الصِّيَامُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهِ)) (13)

”روزہ خاص میرے لیے ہے اور اسکا اجر بھی میں ہی عطا کروں گا۔“
یہ روزہ دار کیلئے کتاب بڑا منصب اور اعزاز ہے۔ صحیح بخاری و مسلم، سنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (14)

”جس نے اللہ تعالیٰ (اور روزے کی فرضیت) پر ایمان رکھتے ہوئے اور خالص رضائے الہی کی خاطر رمضان شریف کے روزے رکھے، اسکے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے۔“

جبکہ سنن نسائی و مسند احمد اور حلیۃ الاولیاء ابو نعیم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَاَخَّرَ)) (15)

”جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اسی کی رضا جوئی کیلئے رمضان المبارک کے روزے رکھے اسکے سابقہ اور آئندہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔“

اندازہ فرمائیں کہ بندہ مؤمن کو بھلا اور کیا چاہئے؟

(13) ریاض الصالحین ص ۸۷۷۔

(14) ریاض الصالحین ص ۹۷۷ و صحیح الجامع ۳/۵۰۹۔

(15) صحیح الجامع ایضاً

۶) ابلیس اور جہنم کے سامنے ڈھال :

صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور نسائی شریف میں نبی کریم ﷺ سے مروی ارشاد ہے:

((الْصَّوْمُ جُنَّةٌ)) (16) ”روزہ ڈھال ہے۔“

نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خذیمہ، مسند احمد اور معجم طبرانی کبیر میں نبی ﷺ سے مروی ارشاد ہے:

((الْصَّوْمُ جُنَّةٌ، يَسْتَجِنُّ بِهَا الْعَبْدُ مِنَ النَّارِ)) (17)

”روزہ ڈھال ہے۔ اللہ کا بندہ انکے ذریعے نارِ جہنم سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔“
ان ہر دو احادیث کا مفہوم یہ ہوا کہ اس دنیا کی عملی زندگی میں تو روزہ مسلمانوں کو اپنے ازلی دشمن ابلیس لعین سے بچاؤ کیلئے ڈھال کا کام دیتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے جبکہ اُخروی زندگی میں روزہ آگ کے سامنے ڈھال کا کام دیگا اور روزہ دار کو جہنم سے بچائے گا۔

۷) منہ کی بُو :

بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور نسائی والی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفٌ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمُسْكِ)) (18)

”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، روزے دار کے

(16) صحیح الجامع ۱۱۹/۴۲۔

(17) صحیح الجامع، ص ۱۱۴/۴۲، حدیث نمبر: ۳۸۶۷، صحیح الترغیب: ۹۷۰۔

(18) ریاض الصالحین، ص ۴۷۸، صحیح الجامع ۱۱۹/۴۲۔

منہ کی بُو (وہ ناگوار سی ہوا جو معدہ کے خالی رہنے اور منہ بند ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔“

بتائیے! اس سے بڑھ کر اور اعزاز کیا ہوگا کہ وہ ناگوار سی ہوا بلکہ بدبو جو خود روزہ دار کو بھی پسند نہیں ہوتی، اسے اللہ رب العزت اس شرف سے نواز دیتا ہے کہ کستوری بھی اسکے سامنے کیا چیز ہے؟ اور یہ اس ہوا کا کوئی کمال نہیں بلکہ اس ہوا کی پسندیدگی تو دراصل اس بندے کی ادا کی پسندیدگی ہے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل میں اپنے معدے اور پیٹ کو خالی رکھے ہوئے ہے اور دہن بندی کا یہ عالم ہے کہ مرغوب سے مرغوب چیز اور مشروب کو بھی وہ کام و دہن کے قریب نہیں آنے دے رہا، اس اعزاز و شرف کی وجہ دراصل یہی تعمیل ارشاد کی محبوب ادا ہے۔

۸) دوہری فرحت و مسرت اور دیدار الہی :

اسی مذکورہ سابقہ حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں:

((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَهُهُمَا؛ إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهِ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ
(فَرِحَ بِصَوْمِهِ))
(وَفَرِحَ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ)) (19)

”روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں؛ جب وہ روزہ افطار کرتا ہے تو ایک خوشی اسے افطار کی ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے): اور ایک فرحت اسے اپنے پروردگار سے ملاقات کے موقع پر ملتی ہے۔“

دیدار الہی..... روزہ داروں کا مقدر..... اللہ اللہ ع
کس کرم کے ہیں یہ فیصلے

۹) مہمان خصوصی:

ہم اپنی اس دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ جب حکومت کا کوئی خصوصی مہمان ایئر پورٹ پر پہنچتا ہے تو اسے خصوصی مقام (وی۔آئی۔پی۔ لاؤنج) میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسکا ایئر پورٹ میں داخلہ اور خروج بھی خاص راستے (وی۔آئی۔پی۔ گیٹ) سے ہوتا ہے، جہاں سے عام مسافرین کا گزر ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے ہی قیامت کے دن روزہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے مہمانانِ خصوصی ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہوگا اور جس مخصوص دروازے سے یہ ضیوف الرحمن یا مہمانانِ الہی جنت میں داخل ہونگے، وہاں سے کسی دوسرے کا گزر ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ترمذی و نسائی اور مسند احمد میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ: الرِّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: آيَنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُولُونَ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ)) (20)

”جنت میں ایک دروازے کا نام ”باب الریان“ ہے، جس سے قیامت کے دن روزہ دار (جنت میں) داخل ہونگے اور انکے سوا اس دروازے سے دوسرا کوئی داخل نہ ہونے پائے گا۔ کہا جائیگا: روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ اٹھیں گے (اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اور دوسرا کوئی وہاں سے داخل نہ ہو سکے گا۔ اور جب وہاں داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائیگا اور پھر اس سے کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔“

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

(20) صحیح الجامع ۲/۲۱۹-۲۲۰ و ریاض الصالحین، ص ۲۷۹۔

((فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ)) (21)

”جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ہی ایک کا نام ”الرّیان“ ہے، جس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہو سکیں گے۔“

۱۰ روزہ داروں کیلئے خصوصی دروازہ (VIP Gate) اور

مقامِ صدیق ﷺ

جنت کے دروازوں کے بارے میں ہی بخاری و مسلم، ترمذی و نسائی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے، جو قدرے طویل و تفصیلی ہے اور اسمیں جنت کے دروازوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں، مثلاً باب الصدقة، باب الصلوٰۃ، باب الجہاد اور باب الرّیان جو کہ روزہ داروں کے ساتھ خاص ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ (نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے مختلف اعمال پر مختلف دروازوں سے بلائے جانے کا ذکر سن کر) آپ ﷺ کے خلیفہ بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (بندہ جنت میں داخل تو ظاہر ہے کہ ایک دروازے سے ہی ہوگا لیکن):

((فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟))

”کیا کوئی ایسا (خوش نصیب و سعادت مند) بھی ہوگا جسے جنت کے سبھی

دروازوں سے بلایا جائے گا؟“

نبی ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ، ہاں (کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے)

((أَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ)) (22)

(21) بحوالہ مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی ۶۱۰/۱۔

(22) بخاری مع الفتح ۹۶/۴، ریاض الصالحین، ص ۴۷۹، صحیح الجامع ۳/۵۲۱۔

”مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہو گے۔“

سبحان اللہ! عظمتِ صدیق ﷺ کیلئے دیگر پیشا فضائل و مناقب کے علاوہ یہی مقام و مرتبہ کیا کم ہے کہ صحیحین میں مذکور اس ارشاد رسالت مآب ﷺ کی رو سے انکے استقبال کیلئے باب الزیّان تو کیا جنت کے آٹھوں دروازے ہی کھول دیئے جائیں گے۔ کتاب و سنت میں مذکور فضائل و مناقبِ صدیق ﷺ کی قدرے تفصیل تو ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب ”سیرتِ امام الانبیاء ﷺ“ کے حصہ دوم میں ذکر کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف یہ بات بطور خاص عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد اس صفحہ ہستی پر سب سے صحیح ترین کتاب صحیح بخاری اور ثنائی صحیحین مسلم شریف کی شانِ صدیق کے بارے میں اس ”متفق علیہ“ شہادتِ صدق و عدل کے باوجود بھی اگر کسی کی ایمانِ صدیق اور عظمتِ صدیق ﷺ کے سلسلہ میں تشکی نہ ہو اور وہ شک و شبہ میں مبتلا رہے، انکی شان میں گستاخیاں کرے اور زبان درازی کرے، تو پھر اُسکی شومی قسمت اور بد نصیبی بلکہ وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔

۱۱) ابوابِ جنت و رحمت کا کھلنا:

ماہِ رمضان المبارک کے فضائل و برکات میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ اس ماہ کے دوران اللہ تعالیٰ جنت و رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، دارمی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَتُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ))

”جب ماہِ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“

بخاری و دارمی کے سوا دیگر کتب حدیث میں ((فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ)) کی بجائے ((فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ)) ہے کہ ”جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“

اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے:

((فُتِحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ)) (23)

”رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“

ان تینوں روایتوں میں محض لفظی فرق ہے ورنہ مفہوم و مطلب تینوں کا ایک ہی ہے۔ جسکی تفصیل تھوڑا آگے چل کر آنے والی ہے۔

۱۲) ابواب جہنم اور شیاطین کا بندھونا:

ماہ رمضان المبارک کی ان برکات کے ساتھ ساتھ اسی حدیث سابقہ میں یہ بھی مذکور ہے:

((وَعُلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ (النَّارَ) وَسَلْسَلَتْ (صُفَدَتْ)

الشَّيَاطِينُ)) (24)

”اور (ماہ رمضان المبارک میں) نارِ جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے

ہیں اور شیطانوں کو بیڑیاں پہنا کر بند (پابندِ سلاسل) کر دیا جاتا ہے۔“

رمضان المبارک کی آمد پر آسمان، جنت یا رحمت کے دروازوں کا کھولا جانا اور جہنم یا

نارِ جہنم کے دروازوں کا بند کیا جانا اور سرکش شیطانوں (ابلیس اور اسکے ساتھیوں) کا قید و بند کیا

جانا۔ یہ سب اس ماہ کی فضیلت اور روزہ داروں کیلئے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتیں ہیں۔

بست و کشادگی شرح و تفصیل:

جنت و رحمت یا آسمانوں کے دروازوں کے کھلنے اور ابوابِ جہنم اور شیاطین کے بند

ہونے کا مفہوم یا اس بست و کشاد کا مطلب کیا ہے؟ اس سلسلے میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اس حدیث کے الفاظ کا ظاہری اور حقیقی معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ

(23) صحیح الجامع ۳۰۵/۱، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۲۹۲/۳، مشکوٰۃ ۶۱۰/۱، الفتح الربانی ترتیب مسند احمد

الشیبانی احمد عبدالرحمن ۲۲۵/۹۔

(24) بحوالہ جات سابقہ۔

واقعی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ سب اس ماہ مبارک کی عظمت و حرمت کیلئے ہے اور شیطانوں کو اس لیے قید و بند میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ وہ (روزہ دار) مومنوں مسلمانوں کو ورغلا و بہکانہ سکیں اور انہیں کوئی دینی ایذا نہ پہنچا سکیں۔ اور اس حقیقی معنی کی طرح ہی الفاظ حدیث کا مجازی مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرتِ ثواب، عفو و کرم اور شیاطین کے بہت کم بہکانے کی طرف اشارہ ہے۔“

جبکہ معروف مفسر و محدث امام قرطبیؒ رمضان المبارک میں شیطانوں کے پابند سلاسل اور پابجولاں کیئے جانے یعنی بیڑیاں پہنائے جانے کا معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”وہ ایسے روزہ داروں سے بند کر دیئے جاتے ہیں جو روزے کی شرائط اور اسکے آداب کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس ماہ میں شرّ شیطان کا وقوع کم سے کم ہو۔ اور یہ بات محسوس بھی کی جاسکتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں واقعی دوسرے مہینوں کی نسبت شرّ کا وقوع بہت کم ہوتا ہے۔ اور شیاطین کو بند کر دیئے جانے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ شرّ و معصیت یا نافرمانی قطعاً وقوع پذیر ہی نہ ہو، کیونکہ نافرمانیوں کے واقع ہونے کے اسباب شیطانوں کے علاوہ بعض دوسرے بھی ہیں، جیسے نفوسِ خبیثہ، عاداتِ قبیحہ اور شیاطینِ انس وغیرہ ہیں۔“

امام ابن العربیؒ نے بھی اسی سے ملتا جلتا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہاں حقیقی و مجازی دونوں معنی ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں میں ہی کوئی منافات و اختلاف

نہیں ہے۔ (25)

اہل علم نے شیاطین کے پایہ زنجیر کر دیئے جانے کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو ورغلائے، بہکانے اور گناہ و معصیت میں مبتلا کرنے سے روک دیئے جاتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق مشاہدے سے بھی ہوتی ہے کہ اس ماہ میں تمام مساجد بھری رہتی ہیں اور اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود وہ اپنی تنگ دامانی پر شکوہ کناں ہوتی ہیں۔ اور فسق و فجور، جور و جفا، مکر و فریب، کذب و دجل اور عیاشی و فحاشی جیسی تمام اخلاقی و سماجی اور معاشرتی و دینی برائیاں کم ہو جاتی ہیں۔

سوال:

کسی کے ذہن میں ایک سوال آ سکتا ہے اور وہ پوچھ سکتا ہے کہ جب رمضان المبارک میں شیاطین کو قید و بند میں جکڑ دیا جاتا ہے تو پھر پورا مہینہ کسی بھی برائی کا ظہور نہیں ہونا چاہیے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماہ رمضان میں بھی کچھ بد بخت و کم نصیب لوگ بدکاریوں کے ارتکاب سے باز نہیں آتے۔ آخر اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب:

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو امام قرطبی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ نافرینوں اور برائیوں کے وقوع پذیر ہونے کے اسباب میں سے شیطانوں کے علاوہ بھی کچھ اشیاء ہیں، جیسے نفوسِ خبیثہ، عاداتِ قبیحہ اور شیاطینِ انس وغیرہ۔

جبکہ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگ رمضان المبارک میں بھی گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہتے، وہ ایسے خفتہ بخت و بد نصیب ہوتے ہیں کہ برائی انکی رگ رگ میں سما چکی ہوتی ہے اور وہ اس سے باز نہیں رہ سکتے، جیسے مارکزیدہ شخص ہے کہ سانپ کے (25) مختصر از بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۲۲۵/۹-۲۲۷ طبع دارالاشہاب، قاہرہ۔

ڈس جانے کے بعد بھی دیر تک اس کے زہر کے اثر سے درد محسوس کرتا رہتا ہے، اسی طرح ہی یہ لوگ شیطان گزیدہ روحوں کے مالک ہوتے ہیں اور سال بھر کے گناہوں کی کثرت سے انکے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جیسا کہ سورۃ المطففین، آیت: ۱۴ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿بَلْ، رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾

”انکے دلوں پر تو زنگ چڑھ چکا ہے۔“

ایسے لوگ رمضان وغیر رمضان، ہر ماہ میں ایک ہی ڈگر پر چلتے چلے جاتے ہیں، انہیں کسی شیطان کے بہکانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یا پھر یوں سمجھئے کہ لوہے کے ایک ٹکڑے کو آگ میں تپاتے تپاتے انکارے کی طرح سرخ کر لیں، پھر اسے تھوڑی سی دیر کیلئے پانی میں ڈبو کر نکال لیں تو وہ گرم ہی نکلے گا (اگرچہ اسکی گرمی کا زور ٹوٹ ہی کیوں نہ گیا ہو) ایسے ہی شیطان گزیدہ اور زنگ آلودہ روحمیں گیارہ ماہ کی تپشِ گناہ سے تپتے تپتے انکارہ نما لوہے کے ٹکڑے جیسی ہو جاتی ہیں، اور نزولِ رحمت کے اس مہینے کی ٹھنڈک انہیں ٹھنڈا نہیں کر پاتی کہ برائی کرتے ہوئے اسے شرم دامن گیر ہو یا حجاب آئے، بلکہ وہ اپنی عادت کے ہاتھوں کھلونا بنے، شرم و حیاء کے تمام پیمانوں کو پس پشت ڈالے رمضان المبارک میں بھی برائی کے ارتکاب سے باز نہیں آتے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

ایسے لوگوں کو دربارِ الہی کی چوکھٹ پر گر کر خلوصِ دل سے توبہ تائب ہو جانا چاہئے تاکہ انکے دلوں کا زنگ دور ہو اور ان پر رحمتِ الہی کی بارش اثر انداز ہو۔ اور ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ)) (26)

(26) ابن ماجہ، معجم طبرانی کبیر، حلیۃ الاولیاء ابو نعیم، مسند الشہاب للقتضاوی و تاریخ جرجان للسمیعی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ و المعروف ابن مندہ و حلیۃ الاولیاء ابو نعیم عن ابی سعید الانصاری رضی اللہ عنہ و شعب الایمان بیہقی، تاریخ دمشق ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، حدیث کا اتنا ٹکڑا شواہد کی بناء پر حسن درجہ کا ہے، جیسا کہ شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ ۲/۴۱۸ و صحیح الجامع ۳/۵۷۲ و سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۲/۸۳ میں لکھا ہے۔

”کسی گناہ سے توبہ کر لینے والا اس طرح ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔“

(۱۳) ماہ رمضان: ماہ قرآن:

ماہ رمضان المبارک کے فضائل و برکات کا تذکرہ اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک کہ ان میں اس بات کا ذکر نہ آجائے کہ اس ماہ مبارک کو ہی یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اسمیں قرآن کریم نازل ہوا، تو گویا یہ ماہ رمضان، ماہ قرآن بھی ہے کہ اسی ماہ کی ایک برکت و عزت اور قدر والی رات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دستور حیات، قرآن کریم کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں واقع بیت العزّة تک نازل فرمایا اور پھر وہاں سے تینیس (۲۳) سال کے دوران تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت نبی ﷺ پر نازل کیا جاتا رہا۔ چنانچہ سورہ دخان، آیت: ۳-۴-۵ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ

أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۝﴾

”ہم نے کتاب (قرآن کریم) کو ایک بڑی ہی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا، اور ہم لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اُسی رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔“

(۱۴) حکیمانہ فیصلوں کی رات:

ان آیاتِ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ پیدائش و اموات اور رزق وغیرہ کے فیصلے معروف بات کے مطابق ۱۵ شعبان (المعروف شبِ برات) کو نہیں ہوتے بلکہ رمضان المبارک کی اس بابرکت رات میں ہوتے ہیں جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خود خیر و برکت والی رات قرار دیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ جو شخص فیصلوں والی اس

رات کو ۱۵ شعبان کی رات کہے اس کا قول بعید از حقیقت ہے۔ (27)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی رات مراد ہے۔ پندرہ (۱۵):

شعبان والا قول باطل ہے۔“ (28)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی حکیمانہ فیصلوں کی رات، اسی رات کو قرار دیا ہے، جس میں قرآن اتارا گیا تھا۔ (29)

اس (پندرہویں شعبان کی) رات کو جو ”شبِ برات“ یا ”شبِ قدر“ کہا جاتا ہے، یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ احادیث شریفہ اور فقہاء و محدثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شبِ برات یا شبِ قدر کے الفاظ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اور نہ ہی آج تک عربوں میں یہ رات ایسے ناموں سے معروف ہے۔ یہ نام صرف برصغیر کی حد تک ہی ہیں۔ اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالے سے آیا ہے۔ اور ویسے بھی شبِ قدر یا شبِ برات سے مراد دراصل وہ لیلۃ القدر ہی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے اس امت کیلئے نظامِ زندگی مہیا کیا اور جادۂ حق کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، لہذا یہ تعین کرنا ہوگا کہ نزولِ قرآن کی رات کونسی ہے؟ اور اسکے ساتھ ہی شبِ قدر یا شبِ برات بھی طے ہو جائیگی کہ وہ کونسی ہے؟ قرآن کریم کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا تھا؟ اس رات کی صراحت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۵ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ

(27) ابن کثیر مترجم اردو ۶۷/۵، ترجمہ مولانا محمد ابراہیم جونا گڑھی
(28) احکام القرآن ۴/۱۶۹ طبع بیروت، والابداع فی مضار الابداع للشیخ علی محفوظ، ص ۲۹۱ طبع وتوزیع دارالاصلاح۔ دمام

(29) حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو ص ۳۸۲، ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی طبع دارالاشاعت، کراچی

الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ﴿٣٠﴾

”رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو اور اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے مہینے کا تعین فرمادیا ہے جو کہ رمضان المبارک ہے۔ اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر تیسویں پارے کی سورہ قدر میں موجود ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾

”ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا۔“

یہ شبِ قدر صحیح حدیث کی رو سے ماہِ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر ان میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔ (30)

اور نزولِ قرآن کی رات کو سورہ دخان کے شروع میں شبِ مبارک فرمایا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ الہی ہے:

﴿حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ ۝ إِنَّا كُنَّا

مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۝﴾

”حاء، میم۔ قسم ہے اس کتابِ مبین کی، ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا۔ اور ہم لوگوں کو (اپنے عذاب کے بارے میں) متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے ہمارے پاس سے حکم لے کر۔“

(30) صحیح بخاری و مسلم بدون لفظ: الوتر، ترمذی، موطا مالک، مسند، بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ۶/۴۴ تحقیق الالبانی مع المراجعة ۳۰/۲۲ طبع سانگلہ ہل

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں۔ اُن کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ پیدائش و اموات، خوشی و غم اور رزق و فقر کے جو بھی فیصلے ہوتے ہیں وہ اُسی مبارک شب میں ہوتے ہیں جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور وہ شبِ مبارک شبِ قدر رمضان میں ہے نہ کہ ماہِ شعبان میں۔ اور شبِ فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا اور قدر تو ہر دو زبان میں مشترک ہے۔ لہذا ”لیلۃ القدر“ کو فارسی میں ”شبِ قدر“ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو دیا ہے۔ البتہ سورہ دخان کی مذکورہ آیت میں جو لیلۃٌ مُبارکۃ کے الفاظ آئے ہیں، ان سے بعض لوگوں نے پندرہ شعبان کی رات مراد لی ہے۔ لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سورہ دخان کی مذکورہ آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے ذکر کر دی جائے۔

چنانچہ معالم التنزیل المعروف تفسیر خازن میں ہے:

(قَالَ قَتَادَةُ وَابْنُ زَيْدٍ: هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَنْزَلَ اللَّهُ الْقُرْآنَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ)

”حضرت قتادہ اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کیا۔“

اور آگے لکھا ہے:

(قِيلَ: هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) (31)

”یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔“

یہاں یہ بات یاد رہے کہ اہل علم کے نزدیک جو بات صحیح تر ہو پہلے اسے معروف کے صیغے سے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اور جو غیر معتبر اقوال ہوں انہیں مجہول کے صیغہ ”قیل“ کے بعد لایا

جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، اور ایسے ہی دیگر مقامات اور دیگر مسائل میں بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ امام خازن کے نزدیک حضرت قتادہ اور ابن زید رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہی زیادہ معتبر اور صحیح تر ہے۔ اور ان کے نزدیک یہاں لیلۃ مبارکہ سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے نہ کہ نصف شعبان والی رات اور یہ دوسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے۔

تفسیر جامع البیان میں جمہور اہل علم کا مسلک یہی ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے۔ البتہ مرجوح قول ذکر کرنے کے لیے یہ بھی لکھا ہے:

(وَعَنْ بَعْضٍ: هِيَ لَيْلَةُ النَّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) (32)

”بعض کے نزدیک اس سے نصف شعبان کی رات مراد ہے۔“

دوسری مختصر تفسیر جلالین میں تفسیر المدارک کے حوالے سے لکھا ہے:

(هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةُ النَّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) (33)

”اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے یا پھر نصف شعبان

والی رات۔“

اس سے آگے اس لیلۃ مبارکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات میں قرآن کریم ساتویں آسمان (لوح محفوظ) سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے:

(وَالْجَمْهُورُ عَلَى الْأَوَّلِ) (33)

”جمہور اہل علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی یعنی رمضان

المبارک والی رات لیلۃ القدر مراد ہے۔“

(32) جامع البیان، ص ۴۲۰

(33) تفسیر جلالین، ص ۶۵۶ طبع دار المعرفہ، بیروت

معروف محدث و مجتہد اور مفسر قرآن امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدر میں لکھتے ہیں:

(الَّيْلَةُ الْمُبَارَكَةُ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ وَلَهَا أَرْبَعَةُ أَسْمَاءٍ اللَّيْلَةُ الْمُبَارَكَةُ وَلَيْلَةُ الْبَرَاءَةِ وَلَيْلَةُ الصَّكِّ)

”لَیْلَةُ مُبَارَكَةٍ سے مراد لیلۃ القدر ہے جیسا کہ ارشادِ الہی ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ میں مذکور ہے۔ اور اس کے چار نام ہیں یعنی لیلۃ مبارکہ، لیلۃ البراءۃ، لیلۃ الصک (یعنی اقرار نامہ کی رات اور لیلۃ القدر)۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

عکرمہؒ نے اس سے شعبان کی رات مراد لی ہے مگر حق یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ اس سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مجمل ذکر فرمایا ہے مگر سورۃ البقرہ کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ میں واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح سورۃ قدر ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ میں بھی وضاحت موجود ہے۔ اور اس واضح بیان کے بعد کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ اختلاف کیا جائے۔ اور نہ ہی کسی شک و شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ (34)

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس رات سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر المعروف تفسیر کبیر میں لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

(34) فتح القدر شوکانی ۷۰۴/۵۷ دار الفکر بیروت، تفسیر سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵ و سورۃ القدر

(الْقَائِلُونَ بِأَنَّ الْمُرَادَ مِنَ اللَّيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَمَارِئْتُ لَهُمْ دَلِيلًا يَعُولُ عَلَيْهِ) (35)

”جو لوگ کہتے ہیں کہ (سورہ دخان کی) اس مذکورہ آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، ان کے پاس کوئی قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے۔“

اسی طرح معروف محدث و مورخ اور معتبر مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں جمہور کے مسلک کی ہی تائید کی ہے کہ اس رات سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اور اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

(مَنْ قَالَ أَنَّهَا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ أَبْعَدَ النَّجْعَةَ فَإِنَّ نَصَّ الْقُرْآنِ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ) (36)

”جو شخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہے اس کی بات دور کی کوڑی یا بعید از حقیقت ہے کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے۔“

قاضی ابوبکر ابن العربی، احکام القرآن میں رقمطراز ہیں:

(جَمَهُورُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ وَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ: إِنَّهَا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَهُوَ بَاطِلٌ، لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ الصَّادِقِ الْقَاطِعِ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ فَنَصَّ عَلَى أَنَّ مِيقَاتَ نَزُولِهِ رَمَضَانَ، ثُمَّ عَنْ زَمَانِيَةِ اللَّيْلِ هُنَا بِقَوْلِهِ ﴿فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ﴾ وَلَيْسَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِيثٌ

(35) تفسیر کبیر امام رازیؒ طبع بیروت

(36) مختصر تفسیر ابن کثیر لکھنؤ ۱۹۴۲ طبع اول

يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لَا فِي فَضْلِهَا وَلَا فِي نَسْخِ الْأَجَالِ فِيهَا فَلَا تَلْفُتُوا إِلَيْهَا (37)

”جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اور پندرہ شعبان والا قول باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صادق اور قاطع نزاع کتاب (قرآن کریم) میں فرمایا ہے: (رمضان المبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) اس طرح اللہ تعالیٰ نے نص مہیا فرمادی کہ نزول قرآن کا مہینہ، ماہ رمضان ہے۔ پھر یہاں اُس کے وقت کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا: ”اس مبارک رات میں“۔

اور نصف شعبان والی رات کی فضیلت اور نسخ آجال (اموات) کے بارے میں کوئی قابل اعتبار اور قابل اعتماد حدیث نہیں ہے۔“
ان تفسیری حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سورہ دخان کی آیت: ۳ میں مذکورہ رات، رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، نہ کہ شعبان والی رات۔
تفسیری کُتب کی طرح ہی شروح حدیث میں بھی یہی بات کہی گئی ہے، مثلاً:
معروف حنفی محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

”بعض اسلاف کا خیال ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، لیکن یہ قول نصوص قرآن کے مخالف ہے کیونکہ قرآن کا نزول رمضان میں لیلۃ القدر میں ہوا ہے۔ لہذا لیلۃ مبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اس طرح اس آیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“ (38)

(37) احکام القرآن ابن العربی ۱۶۴/۲ طبع دار المعرفہ، بیروت الابداع، ص ۲۹۱ وفوائد سلفیہ (اشرف الحواشی) مولانا محمد عبدہ الفلاح، طبع لاہور

(38) بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۴۴۲/۳

جبکہ محدث بزرگ صغیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی میں رقمطراز ہیں: ”بے شک آیت ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ﴾ میں لیلۂ مبارکہ سے مراد، جمہور اہل علم کے نزدیک (رمضان المبارک کے آخری عشرہ والی) لیلۃ القدر ہے۔ بعض اسے نصف شعبان کی رات سمجھتے ہیں، مگر جمہور کا مسلک ہی صحیح ہے۔“ (39)

اس موضوع کی مذکورہ تفصیل ہماری کتاب ”قبولیت عمل کی شرائط“ ص ۳۰۹-۳۱۶ پر ”شب قدر، شب براءت، شب نصف شعبان“ کے زیر عنوان بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۵) لیلۃ القدر کی فضیلت؛ ہزار ماہ سے زیادہ اجر و ثواب:

رمضان المبارک کی جس رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا، اسے اللہ تعالیٰ نے تیسویں پارے کی سورہ قدر میں لیلۃ القدر (قدر والی رات) قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ۚ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ (سورۃ القدر: ۵)

”ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا، آپ کیا جانیں کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح (الامین جبرائیل) اسمیں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لیکر اترتے ہیں، وہ رات سراسر سلامتی ہے، طلوع فجر تک۔“

اس سورت میں نزول قرآن کی رات اور اسکے فضائل و برکات ذکر فرمائے گئے ہیں اور قرآن کے اس رات میں نازل کیے گئے ہونے کی وجہ سے اس رات کو یہ مقام حاصل ہو گیا ہے کہ اس

ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینے (تراسی سال اور چار ماہ) کی عبادت کے ثواب سے زیادہ ہے۔

اس رات کی تلاش اور اسمیں عبادت کر کے ہزار ماہ سے زیادہ اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ”اعتکاف“ کیا اور اپنی امت کے لیے اسے مشروعیت کا درجہ بخشا جسکے بارے میں یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ رات چونکہ رمضان شریف کے آخری عشرہ (دس دنوں) میں سے ایک ہے، لہذا آپ ﷺ اس رات نہ صرف یہ کہ خود عبادت کیلئے کمر بستہ ہو جاتے بلکہ اپنے اہل خانہ کو بھی اسکی ترغیب دلاتے اور جگاتے تاکہ وہ بھی اس سعادت کو سمیٹ سکیں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، شَدَّ مِثْرَهُ وَ أَحْيَا لَيْلَهُ وَ أَقَيَطَ أَهْلَهُ)) (40)

”جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر بستہ اور چاک و چوبند ہو جاتے اور شب زندہ داری (قیام اللیل) فرماتے اور اپنے اہل خانہ کو بھی جگالیتے تھے۔“

جبکہ صحیح مسلم و ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ)) (41)

”نبی ﷺ عبادتِ الہی میں جتنی محنت (رمضان المبارک کے) آخری عشرہ میں کیا کرتے تھے، اتنی دوسرے ایام میں سے کسی میں نہیں کیا کرتے تھے۔“

لیلة القدر کی عدم تعیین:

اس رات کو آخری عشرہ کی چند راتوں میں بطور خاص تلاش کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے لیکن کسی ایک رات کی تعیین نہیں فرمائی، چنانچہ ابوداؤد، مسند احمد اور معجم طبرانی میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثَلَاثٍ ثَلَاثٍ وَعَشْرِينَ)) (42)

”لیلة القدر کو تیسویں رات میں تلاش کرو۔“

صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و مسند احمد، موطا مالک اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ)) (43)

”لیلة القدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔“

ابوداؤد، مسند احمد اور مسند طیالسی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّبَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي لَيْلَةِ سَبْعٍ وَعَشْرِينَ)) (44)

”لیلة القدر کو تلاش کرو۔ اور جو اسے تلاش کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ستائیسویں رات میں تلاش کرے۔“

لیکن اس سلسلہ میں صحیح اور ساتھ ہی مبنی براحتیاط حدیث وہ ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوَتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (45)

(43) صحیح الجامع ۲/۳۶۱

(42) بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۲۴۵ صحیح الجامع ۲/۳۶۱

(44) حوالہ سابقہ، ص ۳۵ و مشکوٰۃ ۱/۲۴۴ و الصحیحہ ۳/۴۵۵ (45) صحیح الجامع، ص ۳۶ و مشکوٰۃ ۱/۲۴۴

”لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) میں تلاش کرو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری و ابوداؤد اور مسند احمد میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ: فِي تَاسِعَةٍ تَبْقَى، فِي سَابِعَةٍ تَبْقَى، فِي خَامِسَةٍ تَبْقَى)) (46)

”اس رات کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو، لیلۃ القدر اکیسویں [۲۱]، تیسویں [۲۳] یا پچیسویں [۲۵] رات ہے۔“
مجمع طبرانی، مسند احمد اور المختارۃ للضیاء میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الْتَمِسُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَاِنِّي قَدْ رَأَيْتُهَا فَسَبِّحُهَا)) (47)

”لیلۃ القدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ میں نے وہ رات دیکھی مگر پھر بھول گیا۔“

صحیح ابن غزیہ اور قیام اللیل مروزی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الْتَمِسُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ آخِرَ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ)) (48)

”لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری رات میں تلاش کرو۔“

(46) مشکوٰۃ ۶۴۴/۱ و صحیح الجامع ۳۹۴/۱

(47) بحوالہ صحیح الجامع ۳۹۳/۱

(48) صحیح الجامع ۳۹۳/۱ و الصحیحۃ ۴۵۷/۳-۴۵۸

مجمع طبرانی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((الْتَمِسُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ لَيْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ)) (49)

”لئے القدر کو رمضان کی ستائیسویں رات میں تلاش کرو۔“

صحیح مسلم و ابوداؤد، مسند احمد و طیالسی اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ الْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ

وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ)) (50)

”اے رمضان کے آخری عشرے میں اور اسکی بھی نویں، ساتویں اور

پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔“

صحیح مسلم و ابوداؤد (۱۲۵۲) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نویں، ساتویں اور

پانچویں راتوں کی وضاحت بھی کی ہے کہ ان سے مراد اکیسویں، تیسویں اور پچیسویں راتیں

ہیں۔ (سلسلة الاحادیث الصحیحة ۳/۲۵۶) اور یہی مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی

ایک سابقہ حدیث کا ہے اور ایسی ہی ایک حدیث ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان

اور شعب الایمان بیہقی میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسمیں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ: فِي تِسْعٍ تَبَقِينَ، أَوْ سَبْعٍ تَبَقِينَ

أَوْ خَمْسٍ تَبَقِينَ أَوْ ثَلَاثٍ تَبَقِينَ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ)) (51)

”اے رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ اکیسویں، تیسویں،

پچیسویں، ستائیسویں یا آخری (اثنیسویں) رات میں۔“

(49) صحیح الجامع ۳۹۴/۱

(50) الصحیحة ۳/۲۵۶ و صحیح الجامع ۳۹۴/۱

(51) صحیح الجامع ۳۹۴/۱، مشکوٰۃ ۶۴۶/۱

صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد وابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا۔ پھر ایک چھوٹے سے قتبے میں دوسرے عشرے کا اعتکاف فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقس کو باہر نکالا اور فرمایا:

((إِنِّي أَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ أَلْتَمِسُ هَذِهِ الْيَلَةَ، ثُمَّ أَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ، ثُمَّ أُتَيْتُ فَقِيلَ لِي: إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ اِعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرِ. فَقَدَرَا يُتْبَنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطَيْنٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ اِلْتَمِسُوْهَا فِي كُلِّ وَتْرٍ))

”میں نے لیلۃ القدر کی تلاش میں رمضان کے عشرہ اول کا اعتکاف کیا، پھر عشرہ اوسط کا اعتکاف کیا۔ پھر (ہاتفِ غیب کی طرف سے) مجھے کہا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے۔ لہذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے وہ آخری عشرہ میں کرے، مجھے یہ رات دکھائی گئی اور پھر بھلا دی گئی۔ اس رات کی صبح کو میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں پانی اور مٹی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ تم اس رات کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

آگے راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”اس رات بارش ہوئی اور مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی، لہذا بارش کا پانی مسجد میں ٹپکتا رہا۔ اور میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اکیسویں رات کی صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی (گارے) کے آثار نمایاں تھے۔ (یعنی گیلی جگہ پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی پر مٹی لگی ہوئی تھی۔)“ (52)

اس حدیث شریف میں لیلۃ القدر کے اکیسویں رات ہونے کا تذکرہ ہے، جبکہ صحیح مسلم و ابوداؤد، ترمذی و نسائی، دارقطنی اور مسند حمیدی میں حضرت زربن حمیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا اور کہا کہ تمہارے بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ جو شخص سال بھر کی ہر رات کو قیام کرے وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے، انہیں یہ تو معلوم ہے کہ یہ رات رمضان میں اور رمضان کے بھی آخری عشرہ میں بلکہ ستائیسویں رات ہے۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ لوگ (یہ جان لینے کے بعد) کہیں اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں (لہذا سال بھر کے قیام اللیل کا مشورہ دیتے ہیں) اور پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بلا استثناء (یقینی انداز سے، ان شاء اللہ کہے بغیر) حلفیہ (قسم کھا کر) کہا کہ وہ رات رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ اس پر زربن حمیش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: اے ابو منذر! یہ بات آپ اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

((بِالْعَلَامَةِ أَوْ بِالْآيَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا)) (53)

”اس علامت یا نشانی کی بناء پر کہ جو ہمیں نبی ﷺ نے بتائی ہے کہ اس رات کے بعد صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اسکی شعاعیں (کرنیں) نہیں ہوتیں۔“

یہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث ہیں جن میں سے بعض میں اکیسویں رات کو، بعض میں تیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں رات کو اور بعض میں انیسویں رات کو لیلۃ القدر قرار دیا گیا ہے لہذا نبی ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ احوط (سب سے زیادہ مبنی بر احتیاط) عمل یہ ہے کہ آخری عشرے کی سبھی راتوں میں قیام کیا جائے ورنہ کم از کم

طاق راتوں میں، اور ان پانچ طاق راتوں میں سے ہی ایک وہ رات ہے۔
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لیلۃ القدر کو دو قسموں میں تقسیم کر کے بتایا ہے کہ
 ان میں سے ایک وہ ہے جسمیں امورِ حکیمہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی میں قرآن اتر ا تھا جبکہ دوسری
 وہ رات ہے جسمیں روحانیت کا عالم کے اندر پھیلاؤ ہوتا ہے۔ (54)

شب نزول قرآن کی دعاء:

یہیں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ اگر کسی خوش نصیب کو رمضان شریف میں
 قیام اللیل یا ذکر و تلاوت کے دوران علم ہو جائے کہ یہی رات ”لیلۃ القدر“ ہے تو اسے چاہیے کہ
 بکثرت یہ دعاء کرے:

((اللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي))

”اے اللہ! تو بڑا عفو و کرم اور معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو

محبوب رکھتا ہے، مجھے بھی معاف فرما دے۔“

کیونکہ ترمذی، نسائی (فی السنن الکبریٰ)، ابن ماجہ، مسند احمد و بزار اور مستدرک حاکم
 میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ! اِنْ عَلِمْتُ اَنْ لَّيْلَةً لَّيْلَةُ الْقَدْرِ، مَا اَقُولُ فِيْهَا؟))

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھے علم ہو جائے کہ کونسی رات لیلۃ القدر

ہے تو میں کیا دعاء کروں؟“

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعاء سکھائی تھی۔ (55)

(54) حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو، ص ۳۸۲،

(55) مشکوٰۃ ۶/۱۶۲ مع المراجعة ۳۰۷/۴

اخفاء لیلة القدر کی حکمت و مصلحت:

صحیح مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَقَدْ أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا)) (56)

”مجھے یہ رات بتائی گئی تھی (کہ کوئی ہے) پھر بھلا دی گئی۔“

اب سوال یہ ہے کہ جب اس رات کی تعیین کر دی گئی اور بتا دیا گیا کہ وہ رات فلاں ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے بھلا دیئے جانے میں آخر کیا حکمت الہی پنہاں تھی؟ اور اسمیں اللہ والوں کی کیا مصلحت پوشیدہ تھی؟

اس کا جواب اشارۃً خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد میں موجود ہے کہ اسکا بھلا دیا جانا ہی مسلمانوں کیلئے بہتر تھا جبکہ خیر و بھلائی اور بہتری سے بڑھ کر کوئی اور مصلحت کیا ہو سکتی ہے؟ چنانچہ بخاری شریف، دارمی، بیہقی، مسند احمد اور موطا مالک (وَلَكِنْ عَنْ أَنَسٍ وَصَوَّبَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ اثْبَاتَ عِبَادَةٍ) میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَا حَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَا حَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرَفِعْتُ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَانْتَمِسُو هَا فِي النَّاسِعةِ وَالسَّابِعةِ وَالْخَامِسةِ)) (57)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ہمیں لیلة القدر کی خبر دینے کیلئے (گھر سے باہر) تشریف لائے۔ اس وقت دو مسلمانوں کا آپس میں (کسی بات پر) جھگڑا

(56) بحوالہ مشکوٰۃ ۶۲۵/۱ مع المراجعة ۳۰۳/۴-۳۰۵

(57) مشکوٰۃ ۶۲۷/۱ مع المراجعة ۳۰۸/۴-۳۰۹

ہو گیا (آپ ﷺ انہیں روکنے میں لگ گئے اور پھر) فرمایا: ”میں نکلا تو تھا تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے، مگر فلاں فلاں آدمی جھگڑ پڑے، تو اس رات کی تعیین اٹھالی گئی۔ اور اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اسے تم (آخری عشرے کی) نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔“

اس حدیث سے لیلۃ القدر کی تعیین کے رفع ہو جانے کی حکمت و مصلحت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا باہم لڑنا جھگڑنا اس قدر منحوس فعل ہے کہ اسکی نحوست کے نتیجے میں اتنی مبارک رات کی تعیین رفع کر دی گئی۔

رفع تعیین کی حکمت بیان کرتے ہوئے محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں:

”حافظ ابن حجر عسقلانی کے بقول اہل علم کا کہنا ہے کہ اس رات کی تعیین کے اخفاء میں یہ حکمت الہی کا فرما ہے کہ اس طرح لوگ زیادہ سے زیادہ عبادت اور قیام اللیل میں کوشاں رہیں گے۔ اور اگر تعیین کر دی جاتی تو لوگ صرف اسی ایک رات کے قیام و عبادت پر اکتفاء کر لیا کرتے۔ اور امام رازی سے نقل کرتے ہوئے چار حکمتیں ذکر کی ہیں:

پہلی حکمت:

اللہ نے اس رات کو کئی حکمتوں کی بناء پر لوگوں سے مخفی رکھا، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اسے بھی اُسی طرح مخفی رکھا جس طرح دیگر اشیاء کو مخفی رکھا ہوا ہے جیسا کہ اپنی رضا کو تمام امور اطاعت میں مخفی رکھا تا کہ لوگ تمام عبادات میں برضاء و رغبت کوشاں رہیں اور اس نے اپنی ناراضگی کو گناہوں میں مخفی کر رکھا ہے تا کہ لوگ تمام ہی گناہوں سے احتراز کریں۔ ایسے ہی اس رات کو بھی پوشیدہ رکھا تا کہ لوگ رمضان کی تمام راتوں میں بکثرت عبادت کیا کریں۔

دوسری حکمت:

اس رات کو مخفی رکھنے کی دوسری حکمت یہ تھی کہ اگر یہ رات متعین کر دی جاتی تو جن کی شقاوت و بدبختی غالب آ جاتی اور وہ اس رات میں بھی گناہ کر بیٹھتے تو انکے گناہ کی قباحت و شناعیت بھی ہزاروں گناہی بڑھ جاتی جیسے کہ ثواب بڑھ جاتا ہے۔

تیسری حکمت:

اس رات کو پردہٴ اخفاء میں رکھنے کی تیسری حکمت یہ ہے کہ یہ رات اسلیئے پوشیدہ رکھی گئی تاکہ لوگ اسکی تلاش و طلب میں بکثرت کوشش کریں اور زیادہ ثواب کمائیں۔

چوتھی حکمت:

اس رات کی عدم تعین کی چوتھی حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو کسی رات کے لیے القدر ہونے کا یقین نہ ہو تو وہ رمضان کی تمام راتوں میں زیادہ سے زیادہ محنت و عبادت کرتا ہے اور اللہ اپنے فرشتوں کے سامنے فخر یہ کہتا ہے کہ تم کہتے تھے کہ یہ انسان دنیا میں فساد کریں گے، خون ریزیاں کریں گے لیکن دیکھو کہ محض ایک ظنی رات کا ثواب پانے کیلئے انکی یہ تگ و دو ہے اور اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ رات کونسی ہے تو سوچ سکتے ہو کہ تب اس رات کی عبادت کے سلسلے میں میرے بندوں کا عالم کیا ہوتا؟ (58)

نزولِ قرآن کی کیفیت:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نزولِ قرآن کی کیفیت بھی واضح کر دی جائے۔ چنانچہ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے ”البرہان فی علوم القرآن“ میں اور سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ”فی ظلال القرآن“، ”لمحات فی علوم القرآن“ اور ”دراسات قرآنیہ“ میں اور دیگر اہل علم نے اپنی کتب میں نزولِ قرآن کی کیفیت اور ایسے تدریجی نزول کی حکمتوں کے سلسلہ میں لکھا

(58) بحوالہ المرعاة شرح مشکوٰۃ ۳۰۱/۴-۳۰۲

ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے یکبارگی نبی ﷺ پر نازل نہیں فرمادیا تھا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے پورے تینیس سالہ دورِ نبوت میں اسکا نزول مکمل ہوا تھا۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کر دیں کہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نزولِ قرآن کی کیقیت کے بارے میں تین اقوال ذکر کیے ہیں:

① لوح محفوظ سے یکبارگی آسمانِ دنیا کے بیت العزت تک نازل کیا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

② ماہِ رمضان میں اسکے نازل کیے جانے کا معنی یہ ہے کہ صیامِ رمضان کی غرض کیلئے اسے ماہِ رمضان میں نازل کیا گیا۔ یہ قول امام مجاہد اور ضحاک رحمہما سے مروی ہے۔

③ ماہِ رمضان میں نبی ﷺ پر نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی۔ یہ ابن اسحاق اور ابوسلیمان دمشقی رحمہما کا قول ہے۔

شیخ عبداللہ بن زید آل محمود رحمہ اللہ (رئیس المحاکم الشرعیہ والشئون الدینیہ، قطر) نے اپنے رسالے ”کتاب الصیام وفضل شہر رمضان“ میں اسی آخر الذکر قول کو صحیح قرار دیا ہے اور شیخ محمد عبدہ (شیخ الازہر) اور انکے شاگرد رشید علامہ محمد رشید رضا مصری سے بھی اسی قول کے صحیح ہونے کی تائید نقل کی ہے۔ اس قول کے صحیح ہونے کی توجیہات اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے اختلاف کی وجوہات بھی ذکر کی ہیں مثلاً:

① یہ بات یقینی ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا ہے۔

② لفظ ”قرآن“ کا اطلاق کبھی پورے قرآن پر ہوتا ہے اور کبھی اسکے بعض اجزاء مراد ہوتے ہیں۔

③ اگر یہ مان لیں کہ قرآن ماہِ رمضان میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا (بیت العزت) تک یکبارگی نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تو یہ تفسیر قرآن کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے، کیونکہ ارشادِ الہی تو یہ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔“

اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن تو ابھی آسمان پر ہو۔ نازل نہ ہوا ہو اور کہا جائے کہ ہم نے آپ پر نازل کر دیا ہے؟ اور بیت العزت کے واسطے سے قرآن کے نزول کو ماننے سے قرآن کو مخلوق قرار دینے والوں کو تقویت پہنچتی ہے حالانکہ ان کا خلق قرآن کا قول کتاب و سنت اور اجماع امت کی رو سے باطل ہے۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول انکا اپنا اجتہاد ہے، جس پر بہر صورت انہیں اجر ملے گا۔ اور چونکہ انہوں نے اپنی تائید میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی اور یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں اجتہاد کی گنجائش و مجال نہ ہو۔ لہذا انکے اجتہاد پر مبنی انکی یہ رائے واجب القبول نہیں ہے۔

⑤ انکے بعض تفسیری اقوال سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام مجاہد اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما کا اختلاف کرنا ثابت ہے جبکہ بالاتفاق وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے علم تفسیر کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے:

(كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَى الْغَيْبِ عَنْ سِتْرِ رَقِيقٍ)

”گو یا وہ باریک پردے سے غیب کی طرف دیکھتے ہیں۔“

اور نبی ﷺ نے انکے لیے یہ دعا فرمائی تھی:

((اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ))

”اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ اور قرآن کی تعلیم عطا فرما۔“

لیکن اس کے باوجود یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اجتہاد کی بناء پر بھی تفسیر بیان کریں تو وہی صحیح ہے اور جو قول انکے خلاف ہو گا وہ باطل ہے۔ (59)

(59) للتفصیل کتاب الصیام، ص ۱۸-۲۱، طبع مطابع قطر الوطنیہ۔ الدوحة

تدریجی نزول کی حکمتیں:

تیس سالہ روزِ نبوت میں آہستہ آہستہ قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا اور قرآن کے اس تدریجی نزول میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں مثلاً:

① مسلمانوں کو جوں جوں مشکل مسائل پیش آئیں ویسے ویسے ہی موقع بموقع انکے حل اور جوابات کیلئے قرآن کی آیات اترتی رہیں۔ اس طرح قرآن کریم باسانی دلوں میں ثبت ہو جاتا ہے اور اسکے ساتھ ہی حیاتِ مسلم میں قرآن زیادہ بہتر طریقے سے جا گریں ہوتا ہے۔

② حکمتِ الہی نے فطرتِ انسانی کی رعایت رکھی اور بعض اشیاء کے نفاذ اور تحریم میں تدریج سے کام لیا مثلاً تحریمِ خمر (شراب کی حرمت) کیلئے چار دفعہ مختلف انداز سے حکم نازل ہوا اور چوتھی مرتبہ شراب کو کلیۃً حرام قرار دے دیا گیا۔ اس تدریجِ تحریم کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”شراب اور دیگر منشیات“ میں ذکر کر دی ہے۔ اور یہ کتاب الحمد للہ مکتبہ کتاب و سنت، ریحان چیمہ، سیالکوٹ (پاکستان) سے چھپ بھی چکی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی پر تو نبی ﷺ کو یقینِ کامل تھا مگر پھر بھی آپ ﷺ چونکہ انسان تو تھے ہی، مواسات اور ہمدردی و نمگساری کی آپ ﷺ کو بھی ضرورت تھی۔ دعوتِ توحید پر جب مشرکین کی طرف سے آپ ﷺ کو مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور اعداءِ دین و معاندین اسلام کی طرف سے آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچتیں تو ساتھ ہی ساتھ صبر و ثبات اور تائید و نصرت کی آیات بھی نازل ہوتی رہتیں۔ جس سے آپ ﷺ کے پائےِ ہمت و تحمل میں مزید استقلال و استحکام آتا رہتا تھا اور یہ بات قرآن کریم کے یکبارگی نزول میں نہیں ہو سکتی تھی۔

④ عہدِ جاہلیت میں عبادات و معاملات اور عقوبات (سزائیں) ناپید تھیں اور نظامِ مالیات مفقود تھا۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یک دم نظام و قانون اور دستور و آئین کا پابند کر لینا خلافِ فطرت تھا۔ لہذا انکی بہتر طریقہ سے تعلیم و تربیت اور اصلاح و تہذیب کا یہی ذریعہ تھا کہ انہیں

بدرتج قانون کا پابند بنایا جائے۔ اگر انہیں یکبارگی مقید کیا جاتا تو یقناً اصلاح و تہذیب کا عمل شروع ہونے سے پہلے ہی وہ بھاگ گئے ہوتے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةُ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا تَابَ النَّاسُ عَلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ: لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ، لَقَالُوا: لَا نَدْعُ الْخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا، لَقَالُوا: لَا نَدْعُ الزَّنا أَبَدًا)) (60)

”شروع میں قرآن کریم کی ایک مفصل سورت نازل ہوئی جس میں جنت و جہنم کا ذکر ہے، یہاں تک کہ بکثرت لوگ اسلام میں داخل ہو (کرراخ ہو) گئے، اور اگر شروع میں ہی یہ نازل کر دیا جاتا کہ: شراب مت پیو تو (ممکن تھا کہ) لوگ پکاراٹھتے کہ ہم شراب نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر یہ نازل ہو جاتا کہ: زنا نہ کرو تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم زنا ترک نہیں کریں گے۔“

شرح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے:

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس ارشاد میں ترتیب و تدریج نزول میں پائی جانے والی حکمت الہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ غرض قرآن کریم کا وہ حصہ سب سے پہلے نازل کیا گیا جس میں توحید باری تعالیٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے اور مؤمن و مطیع کو جنت کی بشارت اور کافر و نافرمان کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور جب ان کے قلوب و نفوس اس پر مطمئن ہو گئے، تب جا کر آیات احکام کا نزول شروع کیا گیا۔“ (61)

(60) بخاری مع الفتح ۳۹/۹، کتاب فضائل القرآن، باب ششم۔ حدیث: ۴۹۹۳

(61) فتح الباری ۴۰/۹ طبع دارالافتاء

۱۶) بکثرت تلاوت و خیرات کا مہینہ:

اس ماہ رمضان کے ماہ قرآن ہونے کی وجہ ہی ہے کہ ہر سال خصوصی طور پر اس ماہ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوا کرتے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ مل کر قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اور نبی ﷺ پر آخری رمضان میں یہ قرآن دو مرتبہ پیش کیا گیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی (فی السنن الکبریٰ) بیہقی اور دارمی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الْقُرْآنُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعَرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ)) (62)

”نبی ﷺ پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن کریم کو پیش کیا جاتا تھا، لیکن جس سال آپ ﷺ نے وفات پائی اس سال دو مرتبہ پیش کیا گیا۔“
آپ ﷺ پر قرآن کریم کا یہ پیش کیا جانا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نازل ہونے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور کرنے کی شکل میں تھا، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی و نسائی (فی الکبریٰ) دارقطنی و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، وَكَانَ جِبْرِيلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ، يُعْرَضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ، فَاذَلِكَ جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ)) (63)

”نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خیرات کرنے والے تھے اور خصوصاً ماہ رمضان میں یہ عمل اور بھی بڑھ جاتا۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر

(62) بخاری مع الفتح ۴/۲۳۹ مشکوٰۃ ۱/۶۲۸ مع المراجعة ۴/۳۱۲-۳۱۳

(63) بخاری ۴/۲۳۹ وابدایہ الصحیح، باب بدء الوحی، مشکوٰۃ تحقیق الالبانی ۱/۶۲۸ مع المراجعة ۴/۳۱۱

رات آپ ﷺ سے ملتے تھے اور آپ ﷺ ان کو قرآن سناتے (حفظ و اتقان کی غرض سے ان پر پیش کرتے) تھے اور جن دنوں آپ ﷺ کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوا کرتی تھی، ان دنوں آپ ﷺ تیز ہوا سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خیرات فرمایا کرتے تھے۔“

اسی اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی چاہیے کہ اس ماہ قرآن میں بکثرت تلاوت قرآن اور صدقہ و خیرات کیا کریں۔

(۱۷) شفاعت صیام و قرآن:

سال کے بارہ مہینوں میں سے روزہ والے دنوں، یا انکے روزوں کو اور کتب سماویہ میں سے قرآن کریم کو یہ شرف حاصل ہے کہ قیامت کے دن یہ دونوں ہی اللہ کے حضور بندہ مؤمن کے لیے شفاعت (سفارش) کریں گے کہ اے اللہ! اسے بخش دے، اور انکی شفاعت رائیگاں جانے والی بھی نہ ہوگی بلکہ قبول کی جائے گی جیسا کہ شعب الایمان بیہقی، مسند احمد، معجم طبرانی کبیر، حلیۃ الاولیاء ابو نعیم اور مستدرک حاکم (64) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الصَّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُولُ الصَّيَامُ: أَيْ رَبِّ! إِنِّي مَنَعْتُهُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، فَيُشَفِّعَانِ)) (65)

”روزے اور قرآن بندے کیلئے (مغفرت کی) سفارش کریں گے۔ اور روزہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے دن کے وقت تیرے اس بندے کو کھانے

پینے اور قضائے شہوت سے روکے رکھا، اسکے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، اسکے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔ تو ان دونوں کی اسکے بارے میں کی گئی سفارش قبول کی جائیگی۔“

۱۸ نماز پنجگانہ کے اہتمام کی تربیت:

رمضان المبارک میں آپ نے پنجگانہ نماز کے ساتھ ساتھ تراویح و نوافل کا خوب اہتمام کیا اور انھیں باجماعت ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور تلاوت قرآن سے اپنے قلب و روح کو متوڑ کیا۔ پورا مہینہ ایسا کرنے سے ایک طرح کی تربیت و ٹریننگ ہو جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ سب امور صرف رمضان المبارک کی حد تک ہی تھے؟ اور کیا عید کے ساتھ ہی ان امور کو بھی سال بھر کے لیے الوداعی سلام کر دیا جائے؟ اور تلاوت و نوافل تو کجا، کیا نماز پنجگانہ کی فکر بھی نہیں رہے گی؟ جیسا کہ کسی موسمی قسم کے مسلمان یا جاہل نادان کا مقولہ ہے:

دو رکعت نماز عید الفطر کھائی سوئیاں اور گئی فکر بھی فرض روزوں کی فکر تو آئندہ سال تک واقعی ختم ہو گئی مگر کیا نمازوں کی فکر بھی ساتھ ہی جاتی رہے گی؟ نہیں، اور ہر گز نہیں۔ نماز پنجگانہ ہر مسلمان پر ہر روز فرض ہے چاہے رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ۔ لہذا نمازوں کی ادائیگی کا وہی اہتمام رہنا چاہیے جسکا سبق ہم نے رمضان المبارک میں سیکھا ہے۔ اور تاحین حیات یہ مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ سورہ حجر کی آخری آیت: ۹۹ میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ۝۹۹﴾

”اور تادم موت (جسکا آنا یقینی امر ہے) اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں۔“

نبی ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے جیسا کہ بیشتر احادیث سے پتہ چلتا ہے۔
لہذا عید الفطر کے ساتھ ہی نماز پنجگانہ کی فکر نہیں جاتی رہنی چاہیے۔ سلفِ امت میں
سے ایک اللہ والے کو کہا گیا کہ بعض لوگ رمضان میں تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر اسکے بعد
سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ تو اس نے کہا:

(بُنْسَ الْقَوْمُ قَوْمٌ لَا يَعْرِفُونَ لِلَّهِ حَقًّا إِلَّا فِي رَمَضَانَ)

”کتنے برے ہیں وہ لوگ جو صرف رمضان میں ہی اللہ کے حق کو پہچانتے
ہیں۔“

ساتھ ہی اپنے مخاطب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

(كُنْ رَبَّانِيًّا وَلَا تَكُنْ رَمَضَانِيًّا) (66)

”صرف رضائی نہ رہو بلکہ ربانی بنو۔“



نمازیوں کی اقسام

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ موسمی عبادت گزاروں یا رمضان نمازیوں کی طرح
ہی نمازیوں کی چند اور قسمیں بھی ہیں مثلاً۔

① آٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو سارا ہفتہ پنجگانہ نمازوں سے تو قطعی غافل و بیگانہ رہتے ہیں کہ جیسے ان پر
فرض ہی نہیں اور جب آٹھ دن کے بعد جمعہ کا وقت آتا ہے تو نہادھو کر خوب بنے ٹھننے اور اجلا
لباس پہنے جامع مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔

(66) کتاب الصیام شیخ عبداللہ آل محمود، ص ۷۵، طبع قطر

② اکٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو عام طور پر تو پنجگانہ نماز ہی نہیں بلکہ نمازِ جمعہ بھی ادا نہیں کرتے البتہ اگر کبھی کسی خوشی یا غمی پر اکٹھ ہو اور کچھ ایسے لوگوں کی مجلس میں اکٹھے بیٹھے ہوں جو آذان کی آواز کے ساتھ سبھی اکٹھ کر مسجد کو چل دیں تو یہ صاحب بھی چارونا چارنا کے ساتھ ہی مسجد سے ہو آتے ہیں۔

③ تین سو ساٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو پنجگانہ نماز اور جمعہ بھی ادا نہیں کرتے اور اگر کہیں کچھ ایسے لوگوں کا اکٹھ ہو جو نمازی ہوں اور آذان سن کر نماز کیلئے چل دیں تو یہ صاحب اس وقت بھی نظریں بچا کر ادھر ادھر ”کھسک“ جاتے ہیں لیکن اسلامی کیلنڈر کے مطابق سال بھر کے تین سو ساٹھ دنوں کے بعد جب عید آتی ہے تو آسمیں بڑے شوق کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔

④ کھاٹ کے نمازی:

وہ لوگ جو عموماً رسم و رواج کے بندھے بندھائے صرف کسی کی نمازِ جنازہ میں ہی شرکت کرتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو میت کے پسماندگان کے شرکاءِ غم میں سے ثابت کر سکیں۔ اسکے علاوہ انہیں قسم ہے جو کوئی دوسری نماز ”چکھ“ پائیں۔

⑤ ٹھاٹھ کے نمازی:

نمازیوں کی ان چاروں غیر مطلوبہ قسموں کے بعد پانچویں اور مطلوبہ قسم آتی ہے جنہیں ”ٹھاٹھ کے نمازی“ کہیے جو کہ نمازِ پنجگانہ کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ (67) جنہیں عام طور پر ”پابندِ صوم و صلوٰۃ“ کہا جاتا ہے۔ اسلام میں دراصل انہی لوگوں کو مقام حاصل ہے۔ انہیں چھوڑ کر پہلی چاروں قسم کے نمازیوں کے بارے میں ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی خدمت میں صرف اتنی التماس ہے کہ صاحبو! اسلام کے نظامِ عبادت میں اس قسم کے نمازیوں کا

(67) بحوالہ روزنامہ جنگ، لاہور

تو کوئی تصور ہی نہیں پایا جاتا۔ لہذا ع
آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

۱۹) روزہ کے طبی فوائد و ثمرات:

سابقہ سطور میں ہم نے صرف ان فضائل و برکات کا تذکرہ کیا ہے جو کہ کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ اور کسی فرض کی فرضیت ثابت ہو جانے کے بعد ان فضائل و برکات کی تلاش و جستجو زیادہ سے زیادہ ترغیب دلانے کیلئے ہی مفید ہو سکتی ہے، ورنہ جس کام کی فرضیت ثابت ہو جائے اسکا بجالانا واجب ہو جاتا ہے چاہے اسکی کوئی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے فرائض کی بجا آوری پر بھی ہمارے لیے بڑے بڑے انعامات بھی رکھے ہوئے ہیں۔

جب کسی فریضہ کی فرضیت کو ثابت کرنے کیلئے اسکے روحانی و اخروی فضائل و برکات کی بھی ضرورت نہیں تو پھر اسکے دنیوی یا مادی فوائد و ثمرات کا پایا جانا یا انکا علم ہو سکتا کہاں ضروری ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اسکے عائد کردہ فرائض روحانی و اخروی فضائل و برکات کے ساتھ ساتھ دنیوی و مادی فوائد و ثمرات سے بھی خالی نہیں ہیں۔ مثلاً زیر بحث ”روزے“ کو ہی لے لیجئے کہ ڈاکٹروں یا طبیعوں نے روزے کے طبی فوائد بھی ذکر کیے ہیں اور مغربی ممالک کے بعض ماہرین طب نے تو افریقی ممالک کے مختلف مناطق کے مطالعاتی دورے کیے اور ان کی جو تفصیلات مرتب کی ہیں، ان میں عمومی الفاظ میں ”فاۃ کشی“ اور اسلامی زبان میں روزے کا ذکر بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ روزہ ملیریا بخار کے لیے تیر بہدف نسخہ ہے۔ عالمی ادارہ صحت میں کام کرنے والے اسپیشلسٹ آرمینو انوری (Arminyo Anori) نے اپنی رپورٹ میں ملیریا کی وباء کو ترقی پذیر ممالک کی اقتصادیات کو تباہ کرنے کا باعث قرار دیا ہے۔ جبکہ اس ادارہ میں کام کرنے والے وبائی امراض کے ماہر ڈاکٹر جوزف ایچ۔ پال نے تو یہاں

تمام نفسیاتی امراض کا بہترین اور مفت علاج ہے۔ (70)

معلوم ہوا کہ رمضان المبارک جہاں نیکیاں کمانے کا سیزن ہے وہیں مہلک امراض سے نجات پانے کا ذریعہ بھی ہے اور مغربی ممالک کے ان غیر مسلم ماہرین اور مسلم اطباء کی تحقیقات و شہادات اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۲۱) روزہ کے اقتصادی فوائد و ثمرات:

روزہ کے طبی و نفسیاتی پہلوؤں کے علاوہ یہ بیشمار مادی و اقتصادی فوائد و ثمرات کا ذریعہ بھی ہے، اور نظم و ضبط سکھانے کا سبب بھی، جسکی تفصیلات مطلوب ہوں تو علامہ محمد رشید رضا مصری کی تفسیر المنار جلد ۲ ص ۱۴۲-۱۴۹ (طبع بیروت) اور ڈاکٹر مصطفی السباعی (مؤلف السنہ و مکانتہافی التشريع الاسلامی) کی کتاب ”احکام الصیام و فلسفتہ“ ص ۳۸ تا ۴۲ دیکھے جاسکتے ہیں۔

ترک روزہ پر وعید:

روحانی و جسمانی اور دنیوی و اخروی فوائد و برکات پر مشتمل اس عبادت ”روزہ“ کو اسلام میں فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ پورے جوش و جذبہ اور شوق و ذوق کے ساتھ نہ صرف ماہِ رمضان میں ہی روزوں کی پابندی ہو بلکہ غیر رمضان کے نقلی روزے رکھنے میں بھی کمی نہ کی جائے (جنکی تفصیل بھی اس کتاب کے دوسرے حصے ”احکام و مسائل روزہ“ میں ذکر کر دی گئی ہے۔) یا کم از کم سال بعد اس ایک ماہ کے روزوں میں سے تو کوئی ایک روزہ بھی چھوڑنے کے جرم کا ارتکاب نہ کریں، ورنہ پھر یہ بھی یاد رہے کہ رمضان المبارک کا ایک بھی روزہ جان بوجھ کر بلا عذر شرعی چھوڑ دیا تو یہ گناہ کبیرہ ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب الکبائر سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے کبیرہ گناہوں میں سے چھٹے گناہ کی

(70) منار الاسلام ایضاً و رسالۃ الصیام طبع وزارت اوقاف و امور اسلامیہ، متحدہ عرب امارات

جگہ ”بلا عذر رمضان کا ایک دن کا روزہ چھوڑنا“ ہی لکھا ہے۔ (71)

ایسے ہی علامہ پیٹمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الزواجہ عن اقتراف الكبائر“ جلد اول، ص ۱۹۵ (72) پر رمضان کا ایک بھی روزہ چھوڑنے کو کبیرہ گناہ شمار کیا ہے۔ کیونکہ تارک روزہ کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور ابوداؤد و ترمذی، نسائی وابن ماجہ، دارمی و بیہقی اور صحیح ابن خذیمہ و مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موصلاً و مفروضاً مروی ہے:

((مَنْ أَطْرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُحْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ)) (73)

”جس نے رمضان کے ایک بھی دن کا روزہ کسی مرض یا عذر کے بغیر ہی ترک کر دیا۔ وہ اگر ساری عمر بھی روزے رکھتا رہے، تب بھی اس کی کمی پوری نہیں کر سکے گا۔“

اس حدیث کو تو محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ ایسی ہی کئی دیگر روایات بھی ہیں لیکن اگر یہ سب نہ بھی ہوتیں تو قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ اس روزے کی فرضیت اور اسکے پانچ ارکان اسلام میں سے ایک ہونے کی حیثیت ہی کیا کم ہے کہ اسکے ترک کا ارتکاب گناہ کبیرہ شمار ہو۔ پورے دن کا روزہ ترک کرنا گناہ کبیرہ کیوں نہ ہو، جبکہ ماہ رمضان کے دنوں کے آخری اوقات میں سے جلد بازی کے نتیجہ میں اصل وقت سے تھوڑا سا پہلے روزہ کھولا جائے تو وہ بھی باعث عذاب ہے، جیسا کہ صحیح ابن حبان و ابن خذیمہ، سنن (کبریٰ) نسائی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

(71) ص ۴۱-۴۲ صحیح و تقدیم شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ، مدرس حرم کی

(72) الزواجہ عن طبع دار العرفہ، بیروت

(73) الفتح الربانی ۴/۲۳۳ و بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۶۲۶ وضعہ الالبانی فی تحقیق مشکوٰۃ و وضعہ فی ضعیف الجامع

ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”میں سویا ہوا تھا تو دو شخص (فرشتے) آئے وہ مجھے اپنے ساتھ ایک پہاڑ پر لے گئے اور کہنے لگے کہ اُوپر چڑھیں، میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا، وہ کہنے لگے ہم آپ ﷺ کے لیے یہ سفر آسان کر دیتے ہیں، اور جب میں چڑھ گیا اور پہاڑ کے اُوپر گیا تو کیا سنتا ہوں کہ سخت چیخ و پکار ہے۔ پھر مجھے وہ آگے لے گئے:

((فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ مُّعَلِّقِينَ بَعَرَاقِيهِمْ، مُشَفِّقَةً أَشَدَّ أَفْهُهُمْ، تَسِيلُ أَشَدَّ أَفْهُهُمْ دَمًا، فَقَالَ: قُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: الَّذِينَ يَفْطَرُونَ قَبْلَ تَحَلَّةِ صَوْمِهِمْ)) (74)

”وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قوم اپنی کھونچوں (ایڑیوں) کے بل اوندھی لٹکانی گئی ہے، انکی باجھیں پھٹی ہوئی ہیں جن سے کہ خون بہہ رہا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان (فرشتوں) نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو افطار کا صحیح وقت ہونے سے پہلے ہی روزہ کھول (افطار کر لیتے) ہیں۔

اندازہ فرمائیں کہ جب محض اتنے وقت کے ترکِ روزہ کا یہ انجام ہے تو اسکا حشر کیا ہوگا جس نے پورے دن کا ہی نہیں بلکہ پورے رمضان کے تمام روزے ہی چھوڑ دیئے؟ اب آپ خود ہی فرمائیں کہ وہ لوگ جو نہ تو کسی ایسے مشقت والے سفر میں ہوں کہ روزہ قضاء کرنے کے مجاز ہوں نہ بیمار ہوں کہ رمضان کے بعد انکے لیے قضاء کر لینے کی اجازت ہو اور نہ ہی کوئی دیگر شرعی عذر ہو بلکہ اسکے برعکس ان اعدا سے محفوظ ہونے پر مستزاد یہ کہ جن لوگوں کو رمضان المبارک کی وجہ سے ڈیوٹی بھی کم دینی پڑے اور جو تھوڑا سا وقت ڈیوٹی پر گزاریں وہ بھی ایئر کنڈیشنڈ دفنوں میں ہو یا وہ لوگ جو اپنے کاروبار کرتے ہیں انکے مکانوں اور دکانوں میں

(74) بحوالہ صحیح الترغیب والترہیب لالہ البانی ۵۸۸/۱ طبع المکتب الاسلامی، بیروت

بھی ٹھنڈک کی یہ سہولتیں موجود ہوں، اسکے باوجود بھی اس ماہ مبارک کے روزے رکھ کر اپنے پروردگار کو راضی نہ کر لیں اور اس ماہ کی برکات اور سعادتیں نہ سمیٹ لیں، وہ لوگ بھی کتنے ہی کم نصیب ہیں اور انکے اپنے آپ کو اسلام کے ٹھیکیدار قرار دینے کے بلند بانگ دعوے کتنے مشکوک بلکہ باطل ہیں۔

اللہ ﷻ، رسول ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی لعنت و پھٹکار:

بعض احادیث جنکی اسناد پر انفرادی طور پر تو کلام کیا گیا ہے لیکن مجموعی طور پر انکی شواہد و مؤید روایات کی وجہ سے انہیں صحیح لغیرہ اور حسن صحیح قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک صحیح ابن خذیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، دوسری صحیح ابن حبان میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے اور تیسری حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ ان احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منبر لانے کا حکم فرمایا اور جب منبر لایا گیا تو آپ ﷺ اس پر رونق افروز ہوئے لیکن جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسری پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین اور جب تیسری پر قدم رنج فرمایا تو بھی فرمایا: آمین جب آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہم نے آپ ﷺ سے ایک ایسی چیز سنی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ انکے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا:

((بَعْدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ، فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ))

”وہ شخص ملعون اور اللہ کی رحمتوں سے دور ہو گیا جس نے ماہ رمضان المبارک کو پایا مگر اسکی مغفرت و بخشش نہ ہوئی۔“

اس پر میں نے آمین کہا۔ اور جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

((بَعْدَ مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ))

”وہ شخص ملعون و محروم ہے جسکے پاس آپ ﷺ کا ذکر جمیل ہوا اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ پڑھے۔“

اس پر میں نے آمین کہا تھا اور جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا:

((بَعْدَ مَنْ أَذْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرُ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ))

”وہ ملعون و حراماں نصیب ہے جسکی زندگی میں اسکے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائے اور وہ اسے (خدمت کے عوض) جنت میں داخل نہ کر دیں۔“

اس پر بھی میں نے آمین کہا تھا۔ (75)

ان احادیث میں تین کاموں کی خوب ترغیب دلائی گئی ہے، انکے نہ کرنے والوں پر لعنت و پھٹکار کی گئی ہے، انہیں جنت و رحمت الہی سے محروم و دور قرار دیا گیا ہے اور ماہ رمضان کے روزے نہ رکھنے اور والدین کی خدمت نہ کرنے والوں کو تو جہنم کی وعید بھی سنائی گئی ہے جیسا کہ صحیح ابن حبان و ابن خذیمہ میں حضرت مالک بن حویرث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کے الفاظ ((فَدَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَهُ اللَّهُ)) سے پتہ چلتا ہے کہ ”اس موقع کو پانے کے باوجود وہ (اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا) اور جہنم میں داخل ہو گیا تو وہ بہت ہی ملعون و حراماں نصیب ہے۔“ (76)

(75) بحوالہ صحیح الترغیب والترہیب للالبانی ج ۱، ص ۵۸۳-۵۸۴، حدیث: ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷

(76) دیکھیے حوالہ سابقہ، ۹۹۶، ۹۹۷

۴) بچوں کے روزے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بچوں کے روزوں کے سلسلہ میں بھی وضاحت کر دی جائے کہ ان پر روزے اگرچہ فرض تو نہیں کیونکہ ابوداؤد و ترمذی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ، عَنْ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَفْقَهُ وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ)) (77)

”تین قسم کے لوگ مرفوع القلم (شرعاً غیر مکلف) ہیں: پاگل یہاں تک کہ

اسکا جنون و پاگل پن دور نہ ہو جائے۔ سویا ہوا یہاں تک کہ وہ نیند سے بیدار

نہ ہو جائے اور بچہ یہاں تک کہ وہ عمرِ احتلام (بلوغت) کو نہ پہنچ جائے۔“

یہ تو ہوا بچوں کے روزے کا شرعی حکم لیکن اگر بچہ اس عمر میں ہو کہ روزہ رکھ سکتا ہو تو اسکے لیے روزہ رکھنا مستحب عمل ہے اور اسکے والدین یا سرپرستوں کو چاہیے کہ اسے روزے کی ترغیب دلائیں تاکہ وہ اسکا عادی ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی کیا کرتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ربیع بنت معوذہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یومِ عاشوراء کی صبح نبی ﷺ نے انصار کی بستیوں میں یہ اعلان کروایا:

((مَنْ كَانَ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيُتِمِّمْ صَوْمَهُ وَمَنْ كَانَ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمِّمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ)) (78)

”جس نے روزہ کی حالت میں صبح کی وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جس نے افطاری کی حالت میں صبح کی اسے چاہیے کہ دن کے بقیہ حصہ کا گویا روزہ رکھ لے۔“

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(77) ارواء الغلیل ۴۲/ صحیحہ الالبانی وفقہ السنہ ۱/ ۴۳۹ (78) المستغنی مع النیل ۲/ ۱۹۸

((فَكُنَّا بَعْدَ ذَلِكَ نَصُومُهُ وَنُصُومُهُ صِبْيَانَنَا الصِّغَارَ مِنْهُمْ
وَنَذْهَبُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَجَعَلَ لَهُمُ اللَّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ. فَإِذَا بَكَى
أَحَدُهُمْ مِنَ الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهَا إِيَّاهُ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ))

”اسکے بعد سے ہم لوگ یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اپنے
چھوٹے بچوں کو بھی رکھواتے تھے۔ ہم مسجد میں جاتے تو بچوں کو کھیلنے کیلئے
روٹی کا کھلونا بنا دیتے تھے جب کوئی بچہ کھانے کی ضد کرتا اور روتا تو اسے
کھلونا دے کر بہلا لیتے حتیٰ کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔“

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں پکڑ کر لائے جانے
والے شرابی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((وَيْلَكَ وَصِبْيَانًا صِيَامًا))

”تیرا برا ہو، ہمارے تو بچے بھی روزے سے ہیں۔“ اور اسے مارا۔

اس اثر کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو تعلیقاً بیان فرمایا ہے البتہ سنن سعید بن منصور اور
الجدعیات بغوی میں مرفوعاً بھی مروی ہے اور بغوی کی ایک روایت میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اسٹی کوڑے مارنے اور شام کی طرف ملک بدر کر دینے کا حکم فرمایا۔ (79)

غرض امام ابن سیرین، زہری، شافعی اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا کہنا
ہے کہ جب بچہ روزہ رکھ سکے کی طاقت کو پہنچ جائے تو اسے روزے کی عادت ڈالنے کے لیے
روزہ رکھنے کا حکم دینا چاہیے۔ ایسے بچے کی عمر کے سلسلہ میں سات، دس اور بارہ سال کے مختلف
اقوال ملتے ہیں۔ (80) لیکن اس سلسلہ میں کوئی واضح دلیل نہیں ہے لہذا عمر کی بجائے طاقت
و قدرت کا ہی اعتبار ہوگا۔

آج کے مسلمان ایک لمحہ فکریہ

یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ بات بھی بچوں کے بارے میں ہے جو کہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں چاہے عمر کے لحاظ سے ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں جبکہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ کتنے ہی لوگ وہ ہیں جو اپنے اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس بلکہ پچیس پچیس سال کے تندرست و توانا اور عاقل و بالغ بچوں کو نہ صرف یہ کہ روزہ نہیں رکھواتے بلکہ روزہ نہ رکھنے پر آمادہ کرتے ہیں اور دلیل یہ ہوتی ہے کہ تمہارے امتحانات ہو رہے ہیں، تم صحیح طور پر محنت نہیں کر سکو گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ ایسے بچوں اور بچیوں کو خود ہی اپنے خالق و مالک سے ڈرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ عاقل اور بالغ ہو جانے کی وجہ سے روزہ ان پر فرض ہو چکا ہے۔ اور کچھ ہونہ ہو یہ فرض پورا کرنا ہی ہوگا۔ اور پھر عموماً فرائض دین کی ادائیگی تو تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کی چابی ہے پھر محض امتحان کی تیاری کیلئے روزہ چھوڑ دینا چہ معنی دارد؟

اسی طرح انکے والدین اور بڑے بہن بھائیوں یا سرپرستوں کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کرنے اور کروانے کی پاداش میں نہ دھریئے جائیں اور اسکا اثر ان پر اور ان کی اولاد پر نہ ہو اور دین و دنیا کی کامیابی بخدوش نہ ہو جائے۔

پھر ویسے بھی والدین تو اپنے گھر کی رعایا کے حاکم ہوتے ہیں اور قیامت کے دن ان سے انکی اس رعایا کے بارے میں سوال کیا جائیگا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ..... وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا)) (81)

(81) صحیح البخاری مع فتح الباری ۳۸۰۲ کتاب الجمعہ، صحیح مسلم کتاب الامارۃ، سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، سنن ترمذی، کتاب الجہاد، مسند احمد ۵/۵۴، ۵۵، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۳۱،

”تم میں سے ہر شخص رکھوالا ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔۔۔ آدمی اپنے گھر والوں کے بارے میں اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں (اولاد) کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔“

خود رب کائنات نے بھی واضح طور پر حکم فرمایا ہے کہ تمہارا صرف خود عمل کر لینا اور اپنے آپ کو جہنم سے بچا لینا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے زیر دستوں اور اہل و عیال کو بھی نیک عمل کا پابند کرو اور انہیں بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ

وَالْحِجَارَةُ﴾

(سورة التحريم: ٦)

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جسکا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔“

لفظ رمضان کا لغوی معنی:

رمضان المبارک اور روزہ کے انوار و تجلیات، فضائل و برکات اور فوائد و ثمرات تو بکثرت ہیں جن میں سے چند ضروری و معروف امور آپ کے سامنے آگئے ہیں اور اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو لفظ رمضان اور صوم (روزہ) کے اصل لغوی معنی و مفہوم سے بھی آگاہ کر دیں تاکہ ان دونوں کی حقیقت آپ کے ذہن میں آجائے۔

لفظ رمضان کا مادہ تین حروف پر مشتمل ہے جو راء، میم اور ضاد (رمض) ہیں۔ اور لغت کی مشہور و معروف کتاب ”القاموس المحیط“ میں لکھا ہے:

(الرَّمَضُ مُحَرَّكَةٌ، شِدَّةُ وَقَعِ الشَّمْسِ عَلَى الرَّمْلِ وَغَيْرِهِ) (82)

”ریت وغیرہ کے ذرات پر سورج کی تمازت و گرمی کے شدت سے

پڑنے کو ”رض“ کہا جاتا ہے۔“

جبکہ لغت کی ہی ایک دوسری متداول کتاب ”المعجم“ میں بھی یہی معنی ذکر کرنے کے

بعد لکھا ہے:

(أَحْرَقَتِ الرَّمْضَاءُ قَدَمَيْهِ) (83)

”سورج کی تمازت و گرمی نے اس کے پاؤں جلا دیئے۔“

لفظ رمضان کا لغوی معنی ”جلا نا“ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے چنانچہ ترمذی میں ارشادِ

نبوی ﷺ ہے:

((صَلَوَةُ الْاَوَّابِينَ حِينَ تَرْمُضُ الْفِصَالُ)) (84)

”صلوۃ الاوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچے کے پاؤں (ریت

کے گرم ہونے کی وجہ سے) جلنے لگیں۔“

ماہ رمضان کی وجہ تسمیہ:

ماہ رمضان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں:

(سُمِّيَ رَمَضَانٌ لِأَنَّهُ يَرْمُضُ الدُّنُوبَ) ”اس ماہ کا نام رمضان (جلانے والا) اس لیے رکھا

گیا کہ یہ (روزہ داروں کے) گناہوں کو جلا کر ختم کر دیتا ہے۔“

اور صاحب قاموس کے الفاظ ہیں: (سُمِّيَ رَمَضَانٌ لِأَنَّهُ يُحْرِقُ الدُّنُوبَ) ”گناہوں کو

جلا کر ختم کر دینے کی مناسبت سے اس ماہ کا نام ہی رمضان رکھ دیا گیا ہے۔

اس مفہوم کی ایک روایت بھی ہے مگر وہ ضعیف ہے۔ غرض اس مختصر لغوی بحث سے

بھی ماہ رمضان کی فضیلت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ مہینہ اہل معاصی کے گناہوں کو جلا کر ختم

کر دیتا ہے۔

ماہ رمضان کو صرف رمضان کہنا:

ہمارے بعض جماعتی پرچوں میں ایک بات بڑے تسلسل کے ساتھ کہی جا رہی ہے کہ ماہ رمضان المبارک کو صرف ”رمضان“ نہیں کہنا چاہیے بلکہ ”شہر رمضان“ یعنی شہر کی اضافت کے ساتھ مرکب کر کے کہنا چاہیے جسے آپ اردو میں ”ماہ رمضان“ کی ترکیب سے کہہ لیں اور صرف رمضان اس لیے نہیں کہنا چاہیے کہ ”رمضان“ اللہ کے اسماء گرامی میں سے ایک اسم (نام) ہے اور وہ حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے جو ”رمضان“ کے اسم الہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (مجلہ جامعہ ابراہیمیہ، سیالکوٹ)

لہذا آئیے اس حدیث کی استنادی حیثیت کا جائزہ لیں کہ محدثین کرام کے نزدیک اسکی کیا پوزیشن ہے؟

چنانچہ ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے جس میں ہے:

((لَا تَقُولُوا رَمَضَانَ، فَإِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ، وَلَكِنْ

قُولُوا: شَهْرَ رَمَضَانَ))

”رمضان نہ کہو، کیونکہ رمضان اسماء الہی میں سے ایک نام ہے۔ بلکہ شہر

رمضان (ماہ رمضان) کہو۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن عدی نے الکامل میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اسکے ایک راوی ابو معشر کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور بقول امام بیہقی یہ حدیث امام مجاہد اور حسن بصری کے دو طرق سے بھی مروی ہے لیکن وہ دونوں طرق بھی ضعیف ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اپنی صحیح میں ایک باب ہی ایسا قائم کیا ہے جس سے رمضان کو رمضان کہنے کے جواز کا پتہ چلے اور وہ ہے:

((بَابٌ هَلْ يُقَالُ رَمَضَانٌ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعاً))

اور پھر جواز ثابت کرنے کے لیے متعدد احادیث وارد کی ہیں۔ (85)

ضعیف حدیث چونکہ قابلِ حجت نہیں ہوتی اس لیے ہی جمہور اہل علم جواز کے قائل ہیں البتہ مالکیہ نے کراہت کی رائے اختیار کی ہے اور ان میں سے بھی ابن الباقلائی اور شوافع میں سے کثیر حضرات کے نزدیک اگر کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو جو اکیلے لفظ ”رمضان“ سے بھی اس ماہ کا پتہ دے تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ (86)

امام بخاری رحمہ اللہ کے رجحان کا پتہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں متعدد ابواب میں لفظ رمضان کو اکیلے ہی استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

① بَابٌ وَجُوبِ صَوْمِ رَمَضَانَ. ② بَابٌ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ.

③ بَابٌ هَلْ يُقَالُ رَمَضَانٌ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعاً.

④ بَابٌ أَجُودَ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَكُونُ فِي رَمَضَانَ.

⑤ بَابٌ لَا يُتَقَدَّمُ رَمَضَانُ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ.

⑥ بَابٌ إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ فَتُصَدِّقَ عَلَيْهِ.

⑦ بَابٌ إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ.

⑧ بَابٌ إِذَا صَامَ أَيَّامًا مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ.

⑨ بَابٌ مَتَى يَقْضَى قِضَاءُ رَمَضَانَ. ⑩ بَابٌ إِذَا أَفْطَرُ فِي رَمَضَانَ. (87)

ان تمام ابواب میں سے امام صاحب نے کسی میں بھی رمضان کے ساتھ شہر (ماہ) کی اضافت ذکر نہیں کی۔

(85) صحیح البخاری مع فتح الباری ۴/۱۱۲-۱۱۳ طبع دارالافتاء، تفسیر ابن کثیر ۱/۲۱۶ دار المعرفہ، بیروت

(86) الفتح ایضاً

(87) دیکھیے صحیح بخاری۔ کتاب الصوم

امام بخاری کی طرح ہی امام نسائی نے بھی کتاب الصّیام (سنن نسائی) میں ماہِ رمضان کو صرف رمضان کہنے کے جواز پر دلالت کرنے والی دو احادیث وارد کی ہیں اور ان پر یوں تبویب کی ہے:

((الرَّحُصَةُ فِي أَنْ يُقَالَ لَشَهْرٍ رَمَضَانَ رَمَضَانَ)) (88)

آگے چل کر ایک اور باب میں بھی اضافت کے بغیر صرف لفظِ رمضان لائے ہیں دیکھیے: ((بَابُ ثَوَابِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ وَصَامَهُ...)) (89)

اب آئیے ان احادیث کی طرف جن میں شہر (ماہ) کی اضافت کے بغیر صرف لفظِ رمضان وارد ہوا ہے جو اس بات کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (90)

”جس نے بحالتِ ایمان اور بغرضِ ثواب رمضان المبارک (کی راتوں)

کا قیام کیا، اسکے سابقہ تمام گناہ بخشے گئے۔“

حدیث نمبر ۲:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (91)

”جس نے بحالتِ ایمان اور بغرضِ ثواب رمضان المبارک کے روزے

رکھے، اسکے سابقہ تمام گناہ بخشے گئے۔“

(88) دیکھیے سنن نسائی ۲۴۳۱ مع التعليقات السلفية

(89) دیکھیے سنن نسائی ۲۴۹۱ مع التعليقات السلفية

(90) صحیحین و سنن اربعہ، دارمی، مؤطا مالک، مسند احمد عن ابی ہریرہ ؓ بخاری مع الفتح ۲/۲۵۰ و بحوالہ صحیح الجامع الصغیر لابانی ۳/۳۳۵ و ارواء الغلیل ۱۴/۴

(91) صحیحین و سنن اربعہ، مسند احمد عن ابی ہریرہ ؓ، بخاری مع الفتح ۴/۱۱۵ و بحوالہ صحیح الجامع ۳/۳۰۹

حدیث نمبر ۳:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ)) (92)

”جس نے بحالتِ ایمان اور بغرضِ ثواب رمضان المبارک کے روزے رکھے اسکے سابقہ و متاخرہ تمام گناہ معاف کیے گئے۔“

حدیث نمبر ۴:

((لَا يَتَقَدَّرُ مَنْ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ يَصُومُ صَوْمَهُ، فَلْيُصْبِحْ ذَاكَ الْيَوْمَ)) (93)

”تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے (استقبال یا اسلامی کا) روزہ نہ رکھے۔ ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا آ رہا ہے تو وہ رکھ لے۔“

حدیث نمبر ۵:

((إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَتَحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ)) (94)

”جب رمضان المبارک آجائے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“

حدیث نمبر ۶:

((إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَصُمُّ ثَلَاثِينَ إِلَّا أَنْ تَرَى الْهَلَالَ قَبْلَ ذَلِكَ)) (95)

(92) تاریخ بغداد للخطیب عن ابن عباس، نسائی و مسند احمد و حلیۃ الاولیاء ابو نعیم عن ابی ہریرہ و مسند احمد عن عبادہ
بحوالہ صحیح الجامع ۳/۳۰۹

(93) بخاری و مسلم ابوداؤد و ترمذی، مسند احمد عن ابی ہریرہ ؓ، بحوالہ بخاری و فتح الباری ۴/۱۱۳-۱۱۳، ۱۲۸

(94) بخاری و مسلم، نسائی و مسند احمد عن ابی ہریرہ ؓ، بحوالہ بخاری و الفتی ۴/۱۱۲ و صحیح الجامع ۱/۱۸۸

(95) طبرانی، طحاوی، احمد بحوالہ صحیح الجامع ۱/۱۸۸- عن عدی بن حاتم ؓ

”جب رمضان المبارک آجائے تو تیس روزے رکھو۔ سوائے اسکے کہ (انیس کے بعد) چاند نظر آجائے۔“

حدیث نمبر ۷:

((عُمُرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً)) (96)

”رمضان المبارک میں کیا گیا عمرہ حج کے برابر (ثواب رکھتا) ہے۔“

حدیث نمبر ۸:

((عُمُرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِي)) (97)

”رمضان المبارک میں کیا گیا عمرہ میرے ساتھ کیے گئے حج کے برابر (ثواب رکھتا) ہے۔“

انہی پر کیا بس ہے۔ اضافت کے بغیر بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے یہ چند ”مشتے از خوارے“ کا مصداق ہیں۔ ایسی حدیثوں کی تعداد کا اندازہ اجماع المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ کی جلد ۲ ص ۳۰۶-۳۰۷ پر وارد کیے گئے اطراف سے ہی ہو جاتا ہے۔

ایک اشکال یا احتمال:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک اشکال بھی ذکر کیا ہے جسے اشکال کی بجائے احتمال کہنا زیادہ مناسب ہوگا، وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ ہی کہا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ: ۱۸۵ میں ارشادِ الہی ہے:

(96) بخاری، ابن ماجہ، مسند احمد، عن جابر، صحیحین، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد عن ابن عباس، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن ام معقل، ابن ماجہ عن وہب بن قیس، طبرانی عن ابن الزبیر رحمہ اللہ بحوالہ صحیح الجامع ۵۴/۴۲
(97) بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی کبیر، مسند احمد، منشی ابن جارود عن ابن عباس و سمیع بن انس رحمہ اللہ بلفظ: كَحَجَّةٍ مَعِيَ بحوالہ نسائی مع التعليقات السلفية ۱/۲۴۳ و ارواء الغلیل ۶/۳۲، ۳۳ صحیح الجامع ۵۴/۴۲

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾

”ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کو نازل کیا گیا۔“

اس لیے رمضان کو شہر (ماہ) کی اضافت کے بغیر نہیں لکھنا اور کہنا چاہیے جبکہ اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ احادیثِ نبویہ ﷺ میں سے لفظ شہر رواقِ حدیث نے حذف کر دیا ہو۔ (نبی ﷺ نے حذف نہ کیا ہو) اور امام بخاری کے اپنی صحیح میں اس کے حکم کی صراحت نہ کرنے کا راز بھی شائد یہی ہے۔ (98) ورنہ امام صاحب کی عادتِ مبارکہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں دلائلِ قویہ موجود ہوں وہاں حکم کو کھلا نہیں چھوڑتے بلکہ جزماً طے کر دیتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں غالباً اسی احتمال کی بناء پر انھوں نے جزماً حکم بیان نہیں کیا۔

اس کا حل:

لیکن اس سے انکار ناممکن ہے کہ موصوف کے انداز سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ وہ صرف رمضان کہنے کے جواز کے معاملہ میں جمہور کے ساتھ ہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ترجمۃ الباب میں ہی دو حدیثوں کے متعلقہ مقامات تعلیقاً ہی ذکر کر دیئے جنھیں آگے چل کر موصولاً بھی وارد کیا ہے۔ لہذا احتمال کے باوجود انھوں نے ترجیح جواز کو ہی دی ہے۔

رہا معاملہ قرآن کریم میں رمضان کے ساتھ لفظ شہر کے وارد ہونے کا تو اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”بدائع الفوائد“ میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ جو صرف رمضان کہنے کی کراہت کے قائلین کو تو ضرور پڑھ لینی چاہیے تاکہ تشفی ہو جائے البتہ عام قاری کے استفادہ کیلئے ہم اس کا خلاصہ ذکر کیے دیتے ہیں:

نبی ﷺ کی احادیث میں آپ ﷺ نے ایجاز و اختصار کیلئے شہر کا لفظ ترک کر دیا ہوگا۔ یہ قطعاً محال بات ہے کیونکہ قرآن کریم سے بڑھ کر ایجاز میں بلیغ اور اعجاز میں بین اور کس

کی بات ہو سکتی ہے اور یہ بھی محال ہے کہ آپ ﷺ نے کسی حکمت کے بغیر ہی لفظ شہر کو ترک کر دیا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑے فائدہ اور عظیم مقصد کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ اور آگے ایک اہم علمی بحث اور فوائد ذکر کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ قرآن کریم میں رمضان کے ساتھ شہر کی آمد کے دو یا اس سے بھی زیادہ فائدے ہیں:

پہلا فائدہ:

ان میں سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ اگر قرآن میں اس مقام پر اللہ نے فرمایا ہوتا: ﴿رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ تو اس لفظ رمضان کا یہ تقاضا ہوتا کہ انزال قرآن کا وقوع اس پورے مہینے میں شمار ہو جیسا کہ سبویہ کا قول گزرا ہے۔ (ایک سابقہ علمی بحث کی طرف اشارہ ہے) جبکہ یہ بات (پورے مہینہ میں وقوع) خلاف حقیقت ہے کیونکہ قرآن کا نزول تو صرف ایک رات اور اسکی بھی ایک گھڑی میں واقع ہوا تھا، لہذا پورے ماہ کو کیسے لیا جاسکتا ہے۔ لہذا لفظ شہر کا ذکر حقیقت کے موافق ہے۔ جیسے آپ کہیں: (سَرْتُ فِي شَهْرِ كَذَا) (میں فلاں مہینہ میں چلا) تو یہ چلنا پورے مہینے کو متناول و شامل نہیں ہوتا۔

دوسرا فائدہ:

لفظ شہر کو رمضان کے ساتھ لانے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر کہا گیا ہوتا: ﴿رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ تو یہ مدح و تعظیم خاص اُس ماہ پر ہی منحصر و محدود رہتی جس میں قرآن نازل کیا گیا تھا (اور آئندہ سالوں میں آنے والے رمضان کے مہینے اس سے خارج ہو جاتے) جبکہ یہ بات گزر گئی ہے کہ یہ اور ایسے ہی دوسرے اسماء کے ساتھ سالوں کے استمرار پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہ ہو تو اس سے مراد صرف وہی سال ہوگا جس میں تم ہو یا جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے۔ تو شہر کا ذکر (جو کہ درحقیقت ہلال ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَالشَّهْرُ مِثْلُ قَلَامَةِ الظُّفْرِ

ع

یہاں شہر سے مراد ہلال ہے (جو قلم کیے گئے ناخن جیسا ہوتا ہے) اس تعظیم کے حکم کو ہلال کے ساتھ معلق کرنے کا متقاضی تھا لہذا اب اس نام (رمضان) کا مہینہ چاہے جب بھی آئے اور جس سال میں بھی آئے (اس تعظیم و شرف کا حامل ہے)

تیسرا فائدہ:

رمضان کے ساتھ قرآن کریم میں لفظ شہر کی آمد کا تیسرا فائدہ ”ایامِ معدودات“ کی وضاحت و تبیین ہے کیونکہ گنے چنے دنوں کی وضاحت دنوں اور ماہ کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہے یہ وضاحت لفظ رمضان سے تو ہو نہیں سکتی کیونکہ اس لفظ کا مادہ دوسرا ہے اور وہ بھی علم ہے۔ لہذا یہ ٹھیک نہیں کہ اسی سے گنے چنے دنوں کی وضاحت کی جائے جب تک کہ ماہ کا ذکر نہ کیا جائے جو کہ ایام ہی کے معنی میں ہے اور پھر ان ایام کی وضاحت اسکی طرف نہ کر دی جائے۔

لفظ رمضان کو شہر کی اضافت کے بغیر لانے کا فائدہ:

قرآن کریم میں رمضان کے ساتھ شہر کی آمد کے فوائد کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب بدائع الفوائد میں احادیثِ رسول ﷺ میں شہر کی اضافت کے بغیر صرف لفظ رمضان کی آمد کا فائدہ بھی ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: نبی ﷺ کے ارشاد:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ.... وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ)) میں سے لفظ شہر کو حذف کرنے کا بھی ایک فائدہ ہے اور وہ یہ کہ اس طرح سارے مہینے کے روزے آجاتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہوتا: ((مَنْ صَامَ أَوْ قَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ)) تو یہ رمضان طرف ہو جاتا اور اس جملہ میں ”فی“ مقدّر ہوتا یعنی یہ ہو جاتا: ((مَنْ صَامَ فِي رَمَضَانَ. مَنْ قَامَ فِي رَمَضَانَ))

اس طرح یہ تعبیر پورے ماہ رمضان کے روزوں اور قیام کو شامل نہ ہوتی پس ان احادیث میں رمضان ”مفعول علی السعۃ“ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الہی ہے: ﴿قُمِ اللَّيْلَ﴾ کیونکہ اگر

یہ ظرف ہوتا تو آگے: ﴿الَّا قَلِيلًا﴾ کی ضرورت نہ ہوتی۔ (99)

یہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی اس موضوع سے متعلقہ بحث کا خلاصہ ہے جو ظاہر ہے کہ اصل کے پائے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا کیونکہ جو کمال علامہ موصوف کے کلام میں ہے اس کا خلاصہ تیار کرنا کارے دارد، اسی لیے ہم اصل کتاب کے ص ۱۰۳ تا ۱۰۵ کے مطالعہ کا مشورہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

سابقہ گزارشات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔ متعلقہ حدیث ضعیف ہے لہذا ناقابل استدلال ہے۔ اور قرآن کریم میں رمضان کے ساتھ لفظ شہر کی آمد اور حدیث میں اسکے حذف کے متعدد فوائد ہیں جن کا خلاصہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

الصَّوْم (روزہ) کا لغوی معنی:

روزہ جسے عربی زبان میں الصَّوْم کہا جاتا ہے، اس کا لغوی معنی الا مَسَاک یعنی کسی کام سے رک جانا ہے۔ علامہ رشید رضا مصری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر المنار میں، امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں، امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں صوم کا یہی معنی ذکر کیا ہے۔ (100)

ماہرین لغت عربی میں سے ابو عبیدہ نے اس لفظ کے لغوی معنی کی مزید وسعت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

(كُلُّ مُمَسِّكٍ عَنْ طَعَامٍ أَوْ كَلَامٍ أَوْ سَيْرٍ فَهُوَ صَائِمٌ) (101)

(99) مختصر از بدائع الفوائد ۲/۱۰۴-۱۰۵ طبع دارالکتب العربی بیروت

(100) دیکھیے تفسیر المنار ۲/۱۴۴، فتح الباری ۴/۱۰۲، نیل الاوطار ۲/۱۸۶

(101) بحوالہ المنار

”کھانے، بات کرنے یا چلنے سے رک جانے والے کو بھی صائم کہا جاتا ہے۔“
 جیسے (رَجُلٌ صَائِمٌ) ”کھانے پینے سے رکا ہوا آدمی“، (فَرَسٌ صَائِمٌ) چلنے سے رکا ہوا
 گھوڑا“ اور بات کرنے سے رکے ہوئے کو بھی صائم کہا جاتا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کی سورہ
 مریم، آیت: ۲۶ میں حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿فَمَا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي: إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا،
 فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾

”اگر کوئی بشر تمہیں نظر آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے رحمن کیلئے
 روزے کی نذر مانی ہے اسلئے آج میں کسی سے نہیں بولوں گی۔“
 تو گویا بولنے سے رک جانے کو بھی ”صوم“ یا روزہ قرار دیا گیا ہے۔

الصوم (روزہ) کا شرعی و اصطلاحی معنی:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی طرح امام نووی اور شوکانی نے بھی لفظ صوم کا
 اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

(وَفِي الشَّرْعِ اِمْسَاكٌ مَخْصُوصٌ فِي زَمَنِ مَخْصُوصٍ بِشَرَائِطٍ
 مَخْصُوصَةٍ) (102)

”اصطلاح شرع میں صوم کا معنی ہے: مخصوص رک جانا (یعنی کھانے پینے
 وغیرہ سے) مخصوص وقت کیلئے اور مخصوص شرائط کے ساتھ۔“
 جبکہ تفسیر ابن کثیر (۲۱۳/۱) میں لکھا ہے:

(هُوَ اِلْمَسَاكُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْوِقَاعِ بِنِيَّةٍ خَالِصَةٍ لِلَّهِ
 عَزَّ وَجَلَّ)

(102) الفتح والنبیل

”اللہ تعالیٰ کیلئے خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جانے کا نام روزہ ہے۔“

بعض فقہاء نے طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک پورا دن، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے پیٹ اور نفس کی خواہشات سے باز رہنے کو روزہ کہا ہے اور یہ تعریف اتنی جامع ہے کہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

شک کے دن کا یا سلامی واستقبال کا روزہ:

بعض لوگ رمضان المبارک کی آمد سے دو ایک دن پہلے روزہ رکھتے ہیں جسے ”سلامی“ یا استقبال رمضان کا روزہ کہتے ہیں اور انکا نظریہ دراصل یہ ہوتا ہے کہ اگر چاند انتیس (۲۹) کا ہوا اور کسی وجہ سے نظر نہ آیا تو ہمارا یہ روزہ رمضان کا پہلا روزہ ہو جائے گا ورنہ ایک روزہ کم رہ جانے کا اندیشہ ہے اور اگر چاند تیس (۳۰) کا ہی ہوا تو ہمارا یہ روزہ محض رمضان کو ”سلامی دینے“ یا پھر اسکا ”استقبال“ کرنے کیلئے ہو جائیگا۔ لیکن ان کا یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کیونکہ شک کے دن کا یا سلامی واستقبال کا روزہ رکھنا صحیح احادیث کی رو سے منع ہے اور ایسا کرنے پر ثواب کی بجائے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی نافرمانی و عدم اطاعت کا گناہ لازم آتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ يَصُومُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الْيَوْمَ)) (103)

”تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے سوائے اس شخص کے جو کسی دن (پیر و جمعرات) کا روزہ رکھتا آ رہا ہو اور وہ دن رمضان سے ایک یا دو دن پہلے یعنی آخر شعبان میں آجائے (تو وہ روزہ رکھ لے۔“

(103) بخاری مع الفتح ۴/۱۰۹، ریاض الصالحین، ص ۸۱

اس شخص سے وہ آدمی مراد ہے جو مثلاً صوم داؤدی (ایک دن خالی اور ایک دن کا روزہ) رکھتا ہے یا ہر ہفتہ میں سوموار (پیر) اور جمعرات کا ہمیشہ سے روزہ رکھتا آ رہا ہے جو کہ مسنون و مستحب بھی ہیں (جیسا کہ ان کی تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصہ ”احکام و مسائل روزہ“ میں آئے گی) ایسے شخص کو حسب سابق روزہ رکھنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

اگر کوئی شعبان کے آخر دن کا روزہ محض اس شک کی بنیاد پر رکھتا ہے کہ شائد رمضان شروع ہو چکا ہو اور کسی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو، ایسے شک کے دن کا روزہ رکھنے والے کو حدیث شریف میں نبی ﷺ کا نافرمان قرار دیا گیا ہے چنانچہ سنن اربعہ و دارمی اور صحیح ابن حبان میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ)) (104)

”جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم (حضرت محمد ﷺ) کی نافرمانی کی۔“

یہ حدیث جیسا کہ اسکے الفاظ ہی بتا رہے ہیں، حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے البتہ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل میں کہا ہے کہ یہ موصولاً بھی مروی ہے اور اس موصول کی سند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ للریلعی (۲/۴۲۲) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

رمضان سے ایک دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت ترمذی و نسائی کی حسن درجہ کی سند والی ایک اور حدیث میں بھی آئی ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا تَصُومُوا قَبْلَ رَمَضَانَ، صُومُوا لِرُؤْيَيْتِهِ وَافْطَرُوا لِرُؤْيَيْتِهِ، فَإِنْ

حَالَتْ ذُوْنُهُ غِيَابَةً فَاكْمِلُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا)) (105)

(104) ارواء الغلیل ۲/۱۲ صحیح موقوفاً علی عمار رضی اللہ عنہ و ریاض الصالحین، ص ۴۸۱

(105) بحوالہ ریاض الصالحین، ص ۴۸۱

”رمضان سے (دو ایک دن) پہلے روزہ نہ رکھو، چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر ہی عید کرو۔ ہاں اگر اسکے سامنے کچھ حائل (ابر یا غبار) ہو تو (ماہ رواں کے) تیس (۳۰) دن مکمل کر لو۔“

ایسے ہی صرف دو ایک دن رمضان سے پہلے تو کیا، ایک حدیث سے تو پتہ چلتا ہے کہ شعبان کا جب دوسرا نصف شروع ہو جائے تو پھر نفلی روزے رکھنا چھوڑ دینا چاہیے چنانچہ ابو داؤد ترمذی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا بَقِيَ نِصْفُ شَعْبَانَ فَلَا تَصُومُوا)) (106)

”جب نصف شعبان باقی رہ جائے تو روزہ نہ رکھو۔“

اہل علم نے پندرہ شعبان کے بعد نفلی روزے نہ رکھنے کے حکم کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی ہے کہ آئندہ چونکہ ماہ رمضان المبارک کے فرض روزے آرہے ہیں لہذا نفلی روزے نہیں رکھنے چاہئیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفلی روزوں سے آدمی کے قوائے جسمانی کمزور پڑ جائیں اور اسکے نتیجہ میں کہیں کسی فرض روزے کی قضاء کی نوبت نہ آجائے۔ (107)

بہر حال رمضان سے دو ایک دن پہلے امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما سمیت جمہور اہل علم کے نزدیک شک کی بناء پر روزہ رکھنا منع ہے۔ (108)

ایام رمضان کل تعداد:

مروجہ عالمی تقویم یا عیسوی کیلنڈر کے مہینوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکے بعض مہینے اکتیس (۳۱) دنوں کے ہوتے ہیں اور بعض تیس (۳۰) کے۔ جبکہ فروری تین سال تک تو

(106) بحوالہ سابقہ مشکوٰۃ ۶۱۶/۱ صحیحہ الالبانی (107) انظر المراجعة ۲۱۱/۴

(108) ملاحظہ فرمائیں شرح مسلم نووی ۱۸۹/۷-۱۹۰، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، زاد المعاد ۳۹-۲۹ تحقیق الارناؤوط۔ فان فیہ بحث مہم جداً۔

اٹھائیس (۲۸) دنوں کا رہتا ہے اور ہر چوتھے سال جسے ”لیپ کا سال“ کہا جاتا ہے اسمیں یہی ماہ فروری انتیس دنوں کا ہوتا ہے اور ”لیپ“ کے سال کی معروف علامت یہ ہے کہ ہر وہ سنہ جو چار پر تقسیم ہو جائے وہ ”لیپ“ ہوگا۔ اسکا فروری انتیس (۲۹) کا ہوگا۔ جیسے ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۶ء، ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۴ء وغیرہ گزرے ہیں اور ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۲ء اور ۲۰۱۶ء آ رہے ہیں۔ یہ سب لیپ کے سال ہیں۔

ایسے ہی ساون بھادوں کے مہینوں والی بکری تقویم میں بھی انتیس (۲۹) ہتیس (۳۰) اور اکتیس (۳۱) دنوں کے مہینے ہیں اور ان میں سے کبھی کبھی ایک مہینہ بتیس (۳۲) دنوں کا بھی ہوتا ہے مگر ہجری تقویم یا اسلامی کیلنڈر کے تمام مہینے صرف انتیس (۲۹) یا تیس (۳۰) دنوں کے ہی ہوتے ہیں اور اٹھائیس، اکتیس یا بتیس دنوں کا کوئی مہینہ نہیں ہوتا چنانچہ علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ اس بات پر پوری امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم اور تیس دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔ (بدایۃ المجتہد ۹۲/۲ طبع مؤسسۃ الناصر)

اس اجماع کی دلیل صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا أُمَّةُ أُمِّيَّةٌ، لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا، وَعَقْدًا لِأَبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ، ثُمَّ قَالَ: الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا، يَعْنِي تَمَامَ الثَّلَاثِينَ يَعْنِي مَرَّةً تِسْعًا وَعَشْرِينَ وَمَرَّةً ثَلَاثِينَ)) (109)

”ہم ایک اُن پڑھ قوم ہیں۔ نہ ہم لکھتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں۔ مہینہ یوں ہے، یوں ہے اور یوں ہے۔ اور تیسری مرتبہ یوں کہتے ہوئے

(109) صحیح ابی داؤد ۴۴۱/۲۵ طبع مکتب التریبہ بالریاض، مشکوٰۃ ۶۱۵/۱ مع المراجعة ۲۰۸/۴-۲۰۹

آپ ﷺ نے اپنا انگوٹھا موڑ لیا اور پھر فرمایا کہ مہینہ یوں ہے یوں ہے اور یوں ہے۔ (اور اس مرتبہ انگوٹھا نہ موڑا اور) پورا تیس کا اشارہ فرمایا۔ یعنی مہینہ یا تو انتیس (۲۹) دنوں کا ہوتا ہے یا پھر تیس (۳۰) دنوں کا۔“

یہ اس لیے کہ آپ ﷺ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا لیکن تیسری مرتبہ انگوٹھا بند کر لیا جس کا معنی ہے انتیس دن اور دوسری مرتبہ انگوٹھا نہ موڑا، یوں تیس (۳۰) دن بنتے ہیں۔

رؤیتِ ہلالِ رمضان وعید:

کسی بھی عربی مہینے کا دخول صرف دو ہی طرح سے ثابت ہو سکتا ہے۔

اولاً: رؤیتِ ہلال سے۔ ثانیاً: ماہِ رواں کے اکمال سے۔

مثلاً ماہِ رمضان کا چاند نظر آجائے تو اگلے دن روزہ ہوگا چاہے شعبان کے ابھی انتیس (۲۹) دن ہی گزرے ہوں اور اگر انتیس (۲۹) شعبان کو مطلع ابر آلود و گرد آلود ہونے یا کسی بھی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو ماہِ شعبان کی گنتی تیس (۳۰) دن پوری کر کے اگلے دن کا روزہ ہوگا چاہے چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ اسی طرح ہی اگر انتیس (۲۹) رمضان کو چاند طلوع نہ ہو یا ابر و گرد اور باد و باران وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس (۳۰) دن کی گنتی پوری کی جائیگی اور اس سے اگلے دن بہر صورت عید کی جائے گی تیس رمضان کو شام کے وقت خواہ چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ اور اگر انتیس (۲۹) رمضان کی شام چاند نظر آجائے تو اگلا دن یکم شوال یعنی عید الفطر کا دن ہوگا۔

اس اصول کی بنیاد صحیح بخاری و مسلم، نسائی اور مسند احمد میں وارد اس ارشادِ نبوی ﷺ پر ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْا الْهَيْلَالَ وَلَا تَفْطَرُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غَمَّ

عَلَيْكُمْ فَأَقْدِرُوا لَهُ (وَفِي رِوَايَةٍ) فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ)) (110)

”اسوقت تک روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک کہ ہلالِ رمضان نہ دیکھ لو اور اس وقت تک افطار (عید الفطر) نہ کرو جب تک کہ اسے (یعنی ہلالِ عید کو) دیکھ نہ لو اور اگر (باد و باران وغیرہ کی وجہ سے) وہ نظر نہ آئے تو اسکا حساب کر لو۔ (اور ایک دوسری روایت میں اسکی تشریح بھی آگئی ہے کہ) ماہِ رواں شعبان کی گنتی تیس (۳۰) دن پوری کر لو۔“

رُؤیتِ ہلالِ رمضان کی شہادت:

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ رُؤیتِ ہلال میں یہ شرط نہیں کہ ہر آدمی خود اپنی آنکھ سے ہی چاند دیکھے تو روزہ رکھے یا عید کرے بلکہ روزہ رکھنے کے لیے ایک عاقل و بالغ، نیک خصال و صدق مقال اور قوی النظر شخص شہادت دے دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے تو اسکی شہادت پر روزہ رکھنا واجب ہو جائیگا جیسا کہ ابوداؤد، ابن حبان، مستدرک حاکم، دارمی اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((تَرَأَى النَّاسُ الْهَلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ)) (111)

”لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی اور میں نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔“

یہ تو ایک معروف آدمی کی شہادت کا معاملہ ہے لیکن اگر کوئی شخص مستور الحال ہو، اسکے

(110) الفتح الربانی ترتیب و شرح مسند احمد ۲/۲۴۷ و بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۶۱۵

(111) المنقح مع النیل ۲/۱۸۷، مشکوٰۃ ۱/۶۱۷، ارواء الغلیل ۱۶/۴، صحیح، بلوغ الأمانی شرح مسند

فسق و گناہگار کبار یا عدم فسق کا علم نہ ہو تو ایک حدیث کی رو سے اس سے توحید و رسالت کی شہادت کا مطالبہ کرنے کے بعد اسکی شہادت قبول کی جاسکتی ہے جیسا کہ سنن اربعہ و دارقطنی، ابن حبان، بیہقی و مستدرک حاکم اور دارمی میں ایک متکلم فیہ حدیث ہے کہ ایک آدمی (اعرابی) نے نبی ﷺ کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اقرارِ توحید و رسالت کی شہادت طلب کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ تب نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

((يَا بِلَالُ! اِذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُومُوا غَدًا)) (112)

”اے بلال (رضی اللہ عنہ)! لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل وہ روزہ رکھیں۔“

صرف ایک شاہد کی گواہی سے رمضان کا آغاز ثابت ہونا جمہور اہل علم کا مسلک ہے جن میں امام ابن المبارک، مشہور قول کے مطابق امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ اور احناف بھی شامل ہیں۔ (113)

رُویتِ ہلالِ عید کی شہادت:

ہلالِ رمضان کی رُویت جیسی صورت ہی ہلالِ عید کے بارے میں بھی ہے سوائے اسکے کہ ابتداءِ رمضان یا روزہ رکھنے کے لیے صرف ایک ہی مسلمان کی شہادت کافی ہوتی ہے مگر انتہائے رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کے بارے میں دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے جیسا کہ ابوداؤد و نسائی، دارقطنی اور مسند احمد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عہدِ نبوت میں ایک دفعہ انتیس (۲۹) رمضان کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو لوگوں نے صبح تیسواں (۳۰) روزہ رکھا۔ دن کے وقت دو اعرابی آئے اور انہوں نے رات کو چاند دیکھ لینے کی شہادت دی تو نبی ﷺ نے لوگوں کو (112) مکھوۃ ۶۱۶/۱ - ۶۱۷، الارواء ۱۵/۴ وضعفہ، بلوغ الامانی ۹/۲۶۷ و صحیحہ الحاکم فی المستدرک ۴۲۴/۱ و وافقہ الذہبی

(113) بلوغ الامانی شرح مسند احمد الشیبانی ۹/۲۶۸ و نیل الاوطار ۲/۴۷۸

حکم فرمایا کہ روزہ افطار کر لیں۔ (114)

اسی حدیث اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث (115) سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عید کے چاند کے لیے دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے اور اس کے قائلین میں آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں اور ان سب کا ایک دوسرا قول بھی ہے۔ (116) اگرچہ بعض اہل علم نے ہردو کے لیے ہی ایک ایک شہادت اور بعض نے ہردو کے لیے دو دو شہادتوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ صرف ایک ہی شاہد عادل کی گواہی سے ہلال عید کا اثبات امام ابو ثور کا قول ہے جسے امام شوکانی نے ظاہر و رائج قرار دیا ہے۔ (117) لیکن ان کے پاس کوئی صحیح و مرفوع حدیث پر مبنی دلیل نہیں ہے۔ صرف عبدالرحمن بن ابولیلیٰ سے مروی ایک اثر فاروقی ہے جو کہ مسند احمد و بزار میں ہے ائمیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے شوال کا چاند دیکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ! افْطِرُوا!) (118) ”اے لوگو! روزہ افطار کر لو۔“

لیکن ایک تو یہ اثر ہے مرفوع حدیث نہیں دوسرے یہ کہ یہ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ علامہ پیشی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے لکھا ہے:

”اسکی سند میں ایک راوی عبدالاعلیٰ ثعلبی ہے جس کے بارے میں امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے، تاہم اسکی حدیث لکھی جائیگی اور دیگر آئمہ فن نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (بحوالہ بلوغ الامانی ۹/۲۶۷)

(114) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد و شرح ۹/۲۶۵ وقال: اسنادہ حسن ثابت

(115) الفتح و شرح ۹/۲۶۴-۲۷۰ و نیل الاوطار ۲/۱۸۶-۱۸۹

(116) بلوغ الامانی ۹/۲۶۹

(117) النيل ۲/۱۸۸

(118) الفتح الربانی ۹/۲۶۶-۲۶۷

لہذا یہ تو قابلِ حجت نہ ہوا۔ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے انکی تائید میں جو اندازِ استدلال اختیار فرمایا ہے اسکی تفصیل نیل الاوطار میں دیکھی جاسکتی ہے۔⁽¹¹⁹⁾ اب رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ رمضان وعید ہر دو کے اثباتِ ہلال کے لیے دو گواہ ضروری ہیں انکا استدلال نسائی و دارقطنی اور مسند احمد میں حضرت عبدالرحمن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہے جسمیں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((..فَإِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ فَصُومُوا وَأَفْطِرُوا))

اور مسند احمد میں شَہِدَانِ کے بعد مُسْلِمَانِ بھی ہے اور دارقطنی میں
ذَوَا عَدْلٍ ہے۔⁽¹²⁰⁾

”اگر دو گواہ جو مسلمان ہوں اور عادل ہوں، وہ گواہی دے دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو انکی گواہی پر روزہ رکھو اور افطار (عید) کرو۔“
اس حدیث کی تائید ابوداؤد و دارقطنی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسمیں امیرِ مکہ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((عَهْدَ الْيَنَّا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نُنْسِكَ لِلرُّوْيَةِ فَإِنْ لَمْ نَرَهُ
وَشَهِدَ شَاهِدًا عَدْلًا نَسَكْنَا بِشَهَادَتِهِمَا))⁽¹²¹⁾

”ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ہم روایتِ ہلال پر عمل کریں اور اگر چاند نہ دیکھ پائیں اور دو عادل شاہد گواہی دے دیں تو اس پر عمل کر لیں۔“
ان احادیث میں رمضان وعید ہر دو کے اثبات کے لیے دو گواہ مذکور ہیں لیکن رمضان کے سلسلہ میں چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کی روایات میں ہے کہ ایک ہی گواہ کی

(119) النیل ۱۸۷/۴-۱۸۸

(120) الفتح الربانی ۲۶۴-۲۶۵، بحوالہ المصنف مع النیل ۱۸۷/۴-۱۸۸، ارواء الغلیل ۱۶/۴-۱۷/۴، ص ۷۳

(121) المصنف ۱۸۹/۴، ص ۷۳، الدارقطنی

شہادت پر روزہ رکھا گیا تھا لہذا ان ہر دو مواقع کے مابین فرق واضح ہو گیا۔ اور دو والی احادیث کے تو صرف مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کی شہادت سے روزہ نہیں رکھا جائیگا جبکہ ایک کی شہادت سے روزہ رکھنے والی احادیث کا منطوق (ظاہری الفاظ و مفہوم) بتاتا ہے کہ ایک کی شہادت اس موقع کے لیے کافی ہے اور مفہوم سے منطوق کی دلالت راجح ہوتی ہے لہذا اثبات رمضان کے لیے ایک ہی شہادت کافی ہے۔ (122)

فیصلہ کن بات:

ان مختلف اقوال اور احادیث کے مابین جمع و تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے اور یہی فیصلہ کن بات بھی ہے کہ روزے کے لیے ایک اور عید کے لیے دو گواہوں والی بات ہی زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ روزہ ایک بوجھ یا مشقت محسوس ہوتا ہے اسکی شہادت و گواہی دینے میں کسی شے کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ عید کے چاند سے ایک خوشی ہوتی ہے اور ایک شخص کی شہادت میں شے کا احتمال ممکن ہے لہذا اسکے لیے دو آدمیوں کی گواہی کا ہونا ہی مناسب ہے۔ (123)

ایک نادر صورت:

اگر چاند نظر نہ آئے اور نہ ہی کوئی شہادت ہو تو تیس (۳۰) کی تعداد پوری کر لینی چاہیے اور اگر کوئی ایسی شہادت ہو جو شرعاً معتبر نہ ہو تو ایسے موقع پر شہادت دینے والا خواہ واقع میں سچا ہی کیوں نہ ہو اسے اکیلے اپنی رویت پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ باقی لوگوں کے ساتھ رہے جس دن سب لوگ روزہ رکھیں وہ بھی رکھے اور جس دن سب لوگ عید کریں اسی دن وہ بھی عید کرے اور قربانی و عید الاضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ابو داؤد و ترمذی، ابن ماجہ و بیہقی اور دارقطنی میں حدیث ہے:

(122) بلوغ الامانی ۹/۲۶۸

(123) فتاویٰ علماء حدیث ۱۹۳۶ مؤلف مولانا علی محمد سعیدی، اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدالعزیز نورستانی ص ۳۷، مکتبہ ایوبیہ، کراچی

((الْصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تَفْطِرُونَ وَالْأَضْحَى يَوْمَ تَضْحُونَ)) (124)

”روزے کا دن وہی ہے جس دن تم سب لوگ روزہ رکھو اور عید کا دن وہی ہے جس دن تم سب لوگ عید کرو اور عید الاضحیٰ و قربانی کا دن وہی ہے جس دن تم سب قربانی کرو۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کبھی پہلا روزہ کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکا ہو اور اٹھائیس روزے پورے ہونے پر ہلال عید نظر آ جائے جیسا کہ پچھلے سالوں میں ایک مرتبہ ان عرب ممالک (خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب) میں ایسا ہو گیا تھا تو ایسے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید کر لینی چاہیئے بلا وجہ مسلمانوں کی عید کے دن اٹیسویں روزے کے لیے بضد نہیں ہونا چاہیئے البتہ چونکہ یہ متفق علیہ بات ہے کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہو سکتا لہذا عید کے بعد سب کو ایک روزہ قضاء ضرور رکھ لینا چاہیئے تاکہ تلافی مافات ہو جائے اور مسلمانوں کی عید کی اجتماعی خوشیوں میں شرکت بھی ہو جائے اور چاند چونکہ نظر آ گیا ہے لہذا صحیحین و سنن میں وارد حدیث نبوی ﷺ:

((صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَيْهِ)) (125) پر بھی عمل ہو جائیگا۔ (126)

اس سلسلہ میں اُس سال متعدد کبار علماء کے فتاویٰ بھی صادر ہوئے تھے جن میں یہی بات بیان کی گئی تھی۔ (127)

(124) الارواء ۱۱/۱۲۷، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱/۲۵، فتاویٰ علماء حدیث ۱۹۴/۶

(125) الارواء ۳، المنہج ۱۸۹/۲

(126) ملخص فی الفتاویٰ ۲۰۷/۶

(127) فتویٰ الشیخ ابن باز فی فتاویٰ اسلامیہ ۳۲/۲ طبع دار القلم، بیروت

دوسرے مقام کی رویت:

اگر ایک جگہ کے لوگ رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں لیکن بادل و باراں یا گرد و غبار کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکیں اور کسی دوسرے مقام پر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے چاند دیکھ لیا جائے اور وہاں سے ٹیلیفون یا ٹیلیگرام (تار) کے ذریعے خبر پہنچ جائے کہ چاند دیکھا گیا ہے تو ٹیلیفون کی شکل انتہائی واضح ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے گا کیونکہ خبر دینے والے کو پہچانا مشکل نہیں ہوتا۔ البتہ ٹیلیگرام کے بارے میں فقہاء کی رائے کافی مختلف یا تفصیل پر مشتمل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے دنیوی امور میں تار کو معتبر سمجھتے ہیں ایسے ہی اگر متعدد لوگوں کی طرف سے اتنے تار آجائیں جو حد تو اتر کو پہنچ جائیں اور خبر کا یقین ہو جائے تو وہ تار والی خبر بھی معتبر ہوگی۔ اور یہی معاملہ فیکس، قریبی ریڈیو، ٹی۔وی اور انٹرنیٹ (ای میل) کی خبر کا بھی ہے۔ کسی اسلامی ملک یا غیر مسلم ملک کے مسلمانوں کی کسی انجمن کی طرف سے بنائی گئی رویت ہلال کمیٹی چاند نظر آنے کا اعلان کر دے (جسے ان کے حوالے سے چاہے کوئی غیر مسلم اناؤنسر ہی کیوں نہ نشر کرے) اس ملک یا اس مقام کے ہمسایہ ممالک کے قریبی علاقوں میں رہنے والے عوام کے لیے شرعی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ وہ ہلال رمضان ہو تو روزہ رکھ سکتے ہیں اور اگر ہلال شوال ہو تو عید کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں چاند کی خبر ہونے پر سنن اربعہ و دارمی والی حدیث میں نبی ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ((اَذِنْ فِي النَّاسِ اَنْ يَصُومُوا غَدًا)) (128) کے الفاظ سے روزے کے اعلان کا حکم دینا سرکاری اعلان کی حیثیت سے قابل توجہ امر ہے۔

اختلاف مطالع کا اعتبار:

لیکن یہاں ایک اہم بات پیش نظر رہے کہ ریڈیو، ٹی۔وی، ٹیلیفون، ٹیلیگرام یا انٹرنیٹ کی خبر تو چند لحاظ میں اطراف و اکناف عالم میں پہنچ جاتی ہے تو کیا جہاں کہیں بھی چاند نظر آئے اور جہاں جہاں تک خبر پہنچ جائے ان سب لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جائیگا؟

(128) حوالہ جات گزر گئے ہیں

یہ ایک معرکہ الآراء مسئلہ ہے جو ”اختلافِ مطالع“ کے عنوان سے محدثین عظام اور فقہاء کرام میں عہدِ قدیم سے ہی معروف چلا آ رہا ہے اور اہلِ علم نے اس موضوع پر بڑی طولِ طویل بحثیں لکھی ہیں جن سے شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کو نکھارنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان تمام بحث کا خلاصہ جسے ”عطرِ گل“ کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ:

پوری دنیا میں چاند کا مطلع یا وقتِ طلوع ایک نہیں ہو سکتا بلکہ بعض ممالک میں چاند شام کو نظر آ سکتا ہے جبکہ دوسرے دور کے ممالک میں اُسی دن چاند کا نظر نہ آنا آج ایک کھلی ہوئی حقیقت بن چکا ہے لہذا اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائیگا یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس دن سعودی عرب اور قریبی خلیجی ریاستوں یا ممالک میں روزہ یا عید ہو اُسی دن پاک و ہند اور دنیا کے دیگر دور افتادہ ملکوں میں بھی ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس دن ایران و افغانستان میں روزہ یا عید ہو اُسی دن انڈیا اور بنگلہ دیش میں بھی ہو بلکہ ہر ملک کی اپنی اپنی رویت ہے اور وہاں کے رہنے والے لوگ اسی کے پابند ہیں۔ اس بات کو احناف نے بھی مانا ہے۔ (129)

مطالع میں اختلاف کے لیے مسافت:

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہ دوری کتنی ہے کہ جس میں دو جگہوں یا ملکوں میں چاند کا مختلف دنوں میں نظر آنا ممکن ہے اور اس دوری و مسافت پر واقع ممالک کی اپنی اپنی رویت شمار ہوگی۔ اس مسافت کے سلسلہ میں بھی فقہاء اور اہلِ علم نے متعدد آراء ظاہر کی ہیں بعض نے مجمل طور پر لکھا ہے کہ عراق و حجاز اور شام ایسے ممالک ہیں اور اتنی دوری پر واقع ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے لیے ایک دوسرے کے ملک کی رویت کافی نہیں اور نہ ہی وہ دوسرے ملک کی رویت پر عید کرنے یا روزہ رکھنے کے پابند ہیں بلکہ ان تینوں ملکوں میں سے ہر ملک خود اپنی رویت پر انحصار کریگا۔ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد:

(129) دیکھیے جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ، ص ۲۹ وابعاد

(لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتْهُمْ) ”ہر ملک کی اپنی اپنی رویت ہے“

(130)

کا یہی مطلب ہے کہ ایسے ملکوں کی اپنی اپنی رویت ہے۔

اس مجمل مسافت یا دوری کی مزید وضاحت اس امر سے بھی ہو جاتی ہے کہ علمِ ہنیت و جغرافیہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت چاند اگر کسی ملک میں آٹھ درجے بلند ہے تو وہ غروبِ آفتاب کے بعد تیس (۳۰) منٹ تک رہے گا۔ ایسا چاند اس مقامِ رویت سے مشرقی علاقہ میں پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) یا پانچ سو (۵۰۰) میل تک ضرور موجود ہوگا تو گویا جہاں چاند نظر آجائے وہاں سے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) یا کم از کم پانچ سو (۵۰۰) میل تک طلوعِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔ اس سے آگے نہیں اور مقامِ رویت سے مغربی جانب کے ممالک میں مطلقاً رویتِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مشرق میں چاند نظر آجائے تو مغرب میں اس کا طلوع ضروری ہے لیکن مغرب میں اسکے دیکھے جانے سے مشرق میں بھی اس کا دیکھا جانا ضروری نہیں۔ (131)

علماء و فقہاء احناف کی نظر میں:

پاک و ہند کے معروف حنفی عالم و محقق مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور مختلف فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں مثلاً وہ ”مراۃ الفلاح“ نامی کتاب سے اسکے مصنف کا اختلافِ مطالع کے بارے میں نظریہ انکے اپنے الفاظ سے یوں نقل کرتے ہیں:

(وَقِيلَ يَخْتَلِفُ ثُبُوتُهُ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ وَ اخْتِلَاغَهُ صَاحِبُ

(130) المغنی لابن قدامہ ۸/۳ طبع دوم ۳۲۸/۲ طبع جدیدہ محققہ

(131) بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، شمارہ بابت ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء نیز دیکھیے: رمضان المبارک کے فضائل و احکام علامہ عبید اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ مرعاۃ) ص ۸-۱۲ طبع جامعہ سلفیہ بنارس

التَّجْرِيدُ، كَمَا إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عِنْدَ قَوْمٍ وَغَرَبَتْ عِنْدَ
غَيْرِهِمْ. فَالظُّهْرُ عَلَى الْأَوَّلَيْنِ لَا الْمَغْرِبَ لِعَدَمِ انْعِقَادِ السَّبَبِ
فِي حَقِّهِمْ)

”بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کی وجہ سے رؤیتِ
ہلال کے ثبوت میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ تجرید القدوری کے مصنف
نے اسی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ جب کچھ لوگوں کے یہاں سورج سر سے
ڈھل جائے اور دوسروں کے یہاں غروب ہو جائے تو پہلے لوگوں پر ظہر
ہے نہ کہ مغرب، کیونکہ ان کے حق میں مغرب کا سبب محقق نہیں ہوا ہے۔“
”مراقی الفلاح“ کے حاشیہ پر علامہ طحاوی لکھتے ہیں:

(وَهُوَ الْأَشْبَهُ لِأَنَّ انفصالَ الْهَيْلَالِ مِنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ
الْأَقْطَارِ كَمَا فِي دُخُولِ الْوَقْتِ وَخُرُوجِهِ وَهَذَا مُثَبَّتٌ فِي عِلْمِ الْأَفْلَاكِ وَالْهَيْئَةِ
وَأَقْلُ مَا اخْتَلَفَ الْمَطَالِعُ مَسِيرَةَ شَهْرِ كَمَا فِي الْجَوَاهِرِ)

”یہی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ چاند کا سورج کی کرنوں سے الگ ہونا علاقوں کے
بدلنے سے بدلتا رہتا ہے جیسا کہ اوقات (نماز) کی آمد و رفت میں۔ اور یہ فلکیات و علم ہیئت
کے مطابق ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور کم از کم جس مسافت سے اختلافِ مطالع واقع ہوتا
ہے وہ جواہر نامی کتاب کے مطابق ایک ماہ کی مسافت ہے۔“
فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

(أَهْلُ بَلَدَةٍ إِذَا رَأَوْا الْهَيْلَالَ هَلْ يَلْزَمُ فِي حَقِّ كُلِّ بَلَدَةٍ؟ اخْتَلَفَ
فِيهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ: لَا يَلْزَمُ.... وَفِي الْقُدُورِيِّ: إِنْ كَانَ بَيْنَ
الْبَلَدَتَيْنِ تَفَاوُتٌ لَا يَخْتَلِفُ بِهِ الْمَطَالِعُ يَلْزَمُهُ)

”ایک شہر والے جب چاند دیکھ لیں تو کیا تمام شہروں والوں کے حق میں رویت لازم ہو جائے گی؟ اسمیں اختلاف ہے، بعض کی رائے ہے کہ لازم نہیں ہوگی اور قدوری میں ہے کہ اگر دو شہروں کے مابین ایسا تفاوت و دوری ہو کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں رویت لازم ہوگی۔“

صاحب ہدایا اپنی ایک دوسری کتاب ”مختارات النوازل“ میں لکھتے ہیں:

(أَهْلُ بَلَدَةٍ صَامُوا تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا بِالرُّوْيَةِ وَأَهْلُ بَلَدَةٍ أُخْرَى صَامُوا اثَلَاثِينَ بِالرُّوْيَةِ فَعَلَى الْأَوَّلِينَ قَضَاءٌ إِذَا لَمْ يَخْتَلِفِ الْمَطَالِعُ بَيْنَهُمَا، أَمَّا إِذَا اخْتَلَفَ لَا يَجِبُ الْقَضَاءُ)

”ایک شہر والوں نے رویت ہلال کے بعد ۲۹ روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے چاند کی بناء پر ۳۰ روزے رکھے تو اگر ان دونوں شہروں میں مطلع کا اختلاف نہ ہو تو ۲۹ روزے رکھنے والوں کو ایک دن کی قضاء کرنی چاہیئے اور اگر دونوں شہروں کا مطلع جدا گانہ ہو تو قضاء کی ضرورت نہیں۔“

معروف حنفی محدث علامہ زلیعی نے کنز الدقائق کی شرح ”تبیین الحقائق“ میں اختلافِ مطالع کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں فقہاءِ احناف کے مابین پایا جانے والا اختلاف نقل کرنے کے بعد خود جو فیصلہ صادر کیا ہے وہ یہ ہے:

(الْأَشْبَهُ أَنْ يُعْتَبَرَ لَأَنَّ كُلَّ قَوْمٍ مُخَاطَبُونَ بِمَا عِنْدَهُمْ وَإِنْ فَصَّالُ الْهَالِلِ عَنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ كَمَا فِي دُخُولِ وَقْتِ الصَّلَاةِ وَخُرُوجِهِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَقْطَارِ)

”زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے کیونکہ ہر قوم و جماعت اسکی مخاطب ہوتی ہے جو اسکو درپیش ہو اور چاند کا سورج کی کرنوں سے الگ ہونا مطالع کے اختلاف سے

مختلف ہوتا رہتا ہے جیسا کہ نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات علاقوں کے مختلف ہونے کی بناء پر مختلف ہوتے رہتے ہیں۔“

اس موضوع پر مفصل گفتگو کرنے اور فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات نقل کرنے کے بعد علامہ لکھنؤی نے جو چاہتا فیصلہ صادر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

”اصح المذاہب عقلاً ونقلًا ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیما بین آنہا مسافتی باشد کہ در آں اختلاف مطالع می شود و تقدیرش مسافت یک ماہ است دریں صورت حکم رؤیت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر نخواہد شد و در بلاد متقاربہ کہ مسافت کم از کم یک ماہ داشتہ باشد حکم رؤیت یک بلدہ دیگر لازم خواہد شد۔“ (132)

”عقل و نقل ہر دو اعتبار سے سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ انکے مطالع بدل جائیں جسکا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اسمیں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے معتبر نہیں ہونی چاہیے اور قریبی شہروں میں جنکے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو ان میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے لازمی و ضروری ہوگی۔“

جدید فقہی مسائل کے مؤلف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) نے لکھا ہے کہ ”راقم الحروف کے خیال میں یہ رائے بہت معتدل، متوازن اور قرین عقل ہے۔ البتہ اختلاف مطالع کی حدیں متعین کرنے میں ”ایک ماہ کی مسافت“ کی قید کی بجائے جدید ماہرین فلکیات کے حساب اور انکی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔“ (133)

(132) مجموعۃ الفتاویٰ علیٰ ہامش خلاصۃ الفتاویٰ ۲۵۵/۱-۲۵۶ بحوالہ جدید فقہی مسائل ص: ۸۱-۸۳ نیز دیکھیے: اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدلعزیز نورستانی ص ۴۳-۴۷

(133) حوالہ سابقہ

ندوة العلماء کا ایک اجلاس:

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوة العلماء لکھنؤ کا ایک اجلاس ۱۳ فروری ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء اور نمائندہ شخصیتوں نے شرکت کی۔ اس میں مسئلہ ”رویت ہلال“ کے تمام پہلوؤں پر غور اور فیصلے کیے گئے جن میں سے ہی یہ بھی تھا کہ بلادِ قریبہ وہ شہر ہیں جنکی رویت میں عادیٰ ایک دن کا فرق نہیں پڑتا (یعنی ایک ہی شام چاند نظر آ جاتا ہے) اور فقہاء نے ایک ماہ کی مسافت جو پانچ چھ سو میل ہوتی ہے اتنی مسافت پر واقع شہروں کو بلادِ بعیدہ قرار دیا ہے جن کی رویت الگ الگ سمجھی جائیگی (کہ ایک جگہ چاند نظر آ سکتا ہے اور دوسری جگہ نہیں) اور اس سے کم مسافت کے شہروں کو بلادِ قریبہ قرار دیا گیا ہے جن میں سے ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لیے کافی و معتبر ہوگی۔ اور یہ بھی طے کیا گیا کہ مجلس ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع (چاند طلوع ہونے یا اسکے نظر آنے کا مقام) کتنی مسافت پر بدلتا ہے اور کن کن ملکوں کا آپس میں مطلع ایک ہے۔ اور پاک و ہند کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علماء پاک و ہند کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعد مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو۔ البتہ مصر و حجاز جیسے ملکوں کا مطلع پاک و ہند سے دور ہونے کی وجہ سے الگ ہے لہذا ان میں پاک و ہند میں طلوعِ ماہتاب (طلوعِ ہلال) میں ایک دن کا فرق واقع ہو جاتا ہے لہذا ان ملکوں کی رویت پاک و ہند والوں کے لیے لازم نہیں ہے۔ (134)

برصغیر کے معروف عالم مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ بھوجیانی نے لکھا ہے:

”ہندوستان میں وارنگل و سلی گوری اور مدراس و میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے (جو

مختلف ملکوں میں ہے) ہندوستان ایک ہی ملک ہے لیکن سطح کی بلندی اور پستی کا فرق واضح ہے۔ شملہ اور آبو کا اتق اور کلکتہ و چیرالوکی کا اتق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ طول البلاد کا اتنا فرق ہے کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہو سکتا۔ (135)

شکست و ریخت:

اختلافِ مطلع کے سلسلہ میں یہاں پر واضح کر دیں کہ احناف کے یہاں بھی اگرچہ اختلاف موجود ہے لیکن احناف کا مشہور مذہب یہی ہے کہ اختلافِ مطلع کا اعتبار ہے اور یہی صحیح تر بات ہے کہ اعتبار کیا جائے حتیٰ کہ مولانا عبدالحی اور بعض دیگر حنفی اصحاب علم نے بھی اسے ہی صحیح قرار دیا ہے اس مسئلہ کے تعلق سے حنفی مذہب میں جو شکست و ریخت نظر آ رہی ہے وہ اس امر سے مزید واضح ہو جاتی ہے کہ جدید فقہی مسائل کے حنفی مؤلف نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مطلع میں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ مسئلہ اب نظری نہیں رہا بلکہ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی سطح پر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مطلع کا اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں جن کے درمیان بارہ بارہ گھنٹوں کا فرق ہے عین اس وقت جبکہ ایک جگہ دن اپنے شباب پر ہوتا ہے، دوسری جگہ رات اپنا آدھا سفر طے کر چکی ہوتی ہے۔ ٹھیک اس وقت جب کہ ایک جگہ ظہر ہوتی ہے دوسری جگہ مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں ان مقامات کا مطلع ایک ہو ہی نہیں سکتا۔ فرض کیجئے کہ جہاں مغرب کا وقت ہے اگر وہاں چاند نظر آئے تو کیا جہاں ظہر کا وقت ہے وہاں بھی چاند نظر آ جائیگا؟ یا اس کو مغرب کا وقت تسلیم کر لیا جائے گا؟

دوسرا مسئلہ جو اختلافِ مطلع کے اعتبار یا عدم اعتبار سے تعلق رکھتا ہے اسکے بارے میں احناف کا مشہور مسلک ذکر کرنے اور شافعیہ وغیرہ کے مسلک کا تذکرہ کرنے کے بعد مولانا خالد سیف اللہ لکھتے ہیں:

”یہ بات بہت واضح ہے کہ نمازوں کے اوقات میں سبھی اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہو چکا ہو اور دوسری جگہ نہ ہوا ہو تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ محض اس بناء پر ظہر و عشاء کی نماز ادا نہیں کر سکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہو چکا ہے۔ یا ایک جگہ اگر مہینہ کا اٹھائیسواں (۲۸) ہی دن ہے اور دوسری جگہ انیسواں (۲۹) جہاں چاند نظر آ گیا تو محض اس بناء پر کہ دوسری جگہ چاند نظر آ گیا ہے ۲۸ ویں تاریخ ہی پر مہینہ ختم کر کے اگلے دن رمضان یا عید نہیں کی جائیگی۔ اس لیے یہ بات فطری اور انتہائی منطقی ہے کہ مطالع کا اختلاف اور اسی لحاظ سے رمضان و عید کا اختلاف تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔“ (136)

بعض متجددین کی طرف سے جو ”وحدت امت“ کے لیے دنیا بھر میں ”وحدت عید“ کا شاخسانہ تیار کیا گیا ہے مولانا عطاء اللہ حنیف (شارح نسائی) شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (سابق امیر مرکزی جمعیت - پاکستان) مولانا عبدالقدوس ہاشمی حنفی، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا عزیز زبیدی نے الاعتصام لاہور، جسارت کراچی، فکر و نظر اسلام آباد، محدث لاہور اور تفسیر ماجدی میں اسکی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ (137)

روایتِ ہلال، وحدتِ امت اور اختلافِ مطالع کے موضوع کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

① المغنی ۳/ ۸۱-۸۳ تحقیق محمد خلیل ہراس طبع مصر۔ ② نیل الاوطار ۲/ ۱۹۴-۱۹۵

③ فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/ ۱۰۳-۱۱۴ ④ فتاویٰ علماء حدیث ۶/ ۱۲۰-۲۰۷

⑤ الفتح الربانی و شرحہ ۹/ ۲۷۷-۲۷۸ ⑥ اطلاع ارباب الکمال علی ثبوت رویتِ الہلال ص

۷۶-۷۷ مؤلفہ مولانا عبدالعزیز نورستانی۔ ⑦ جدید فقہی مسائل، ص ۶۷-۷۷

(136) دیکھیے: جدید فقہی مسائل ص ۷۹-۸۰

(137) للتفصیل: فتاویٰ علماء حدیث ۶/ ۱۶۴، ۱۸۳، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۶ اطلاع ارباب الکمال

نورستانی ص ۱۰-۲۳ و فتویٰ شیخ ابن باز فی فتاویٰ اسلامیہ ۲/ ۱۳۶

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے:

کبھی یہ صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ ہمارے ان خلیجی یا دوسرے ممالک میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنی مقامی رویت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کیا اور عید الفطر سے چند دن قبل پاکستان یا انڈیا وغیرہ چلا گیا تاکہ اپنے عزیزوں کے ساتھ مل کر عید کی خوشیاں مناسکے جبکہ وہاں عموماً روزوں کا آغاز ایک دن بعد ہوتا ہے۔

اسکے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے چند روزے اپنے ملک میں رکھنے کے بعد وہ یہاں عرب ممالک میں آجائے جبکہ یہاں والوں نے اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھا تھا۔ ان ہر دو صورتوں میں سے کبھی تو کسی کے دوسروں کے ساتھ رہنے سے صرف اٹھائیس (۲۸) روزے ہی ہو پاتے ہیں اور کبھی اکتیس (۳۱) بھی ہو سکتے ہیں جبکہ نہ یہ صحیح ہے اور نہ ہی وہ درست۔

پس چہ باید کرد؟

مذکورہ دونوں صورتوں کے نتیجے میں پیش آمدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ:

”اگر کوئی شخص کسی جگہ مقامی رویت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کرتا ہے۔ پھر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے رہنے والوں نے ایک دن پہلے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو وہ شخص (انتیس روزے پورے ہو جانے کی صورت میں) انہی کے ساتھ عید الفطر کر لے اور انکے پہلے روزے کی جگہ اسے ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔“

اگر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے لوگوں نے اس شخص سے ایک دن بعد میں روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو اسکے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

”اگر وہ کہیں کہ وہ اکیلا ہی (ایک روزہ پہلے رکھنے کی وجہ سے) عید الفطر کر لے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اکیلا آدمی چاند کھ لیتا ہے تو وہ اکیلا ہی مشہور قول کے مطابق افطار (عید الفطر) نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ انکے ساتھ ہی روزے رکھتا رہے تو اسکے روزے (وہاں تیس

ہونے کی شکل میں) اکتیس ہو جائینگے۔“

لہذا اگر اہلِ بلد اپنے روزے مکمل کر کے عید کریں مگر اسکے تاخیرِ رؤیتِ ہلال اور تاخیرِ آغازِ رمضان کی وجہ سے روزے پورے ہونے کی بجائے صرف اٹھائیس [۲۸] رہ جائیں تو بھی یہ ان مقامی لوگوں کے ساتھ عید کر لے اور بعد میں ایک روزہ قضاء کر لے کیونکہ رمضان کسی بھی صورت میں اٹھائیس [۲۸] دنوں کا نہیں ہو سکتا۔

”اگر تقدیمِ رؤیتِ ہلال اور تقدیمِ آغازِ رمضان کی وجہ سے اسکے روزے تو تیس [۳۰] ہو گئے مگر مقامی لوگ اپنی رؤیت کے حساب سے اگلے دن بھی روزہ رکھیں تو اس شخص کو اختیار ہے کہ یہ افطار کر لے (یعنی روزہ نہ رکھے) مگر (مقامی رؤیت کے حساب سے جاری) رمضان المبارک کے احترام کی خاطر سرِ عام کھانے پینے سے گریز کرے۔ اور چاہے تو مقامی لوگوں کے ساتھ احتیاطاً محض نفلی طور پر روزہ رکھ لے۔ نفلی اس لیے کہ رمضان المبارک کے دن بالاتفاق اکتیس [۳۱] ہو ہی نہیں سکتے۔ اور وہ اپنے تیس [۳۰] روزے پورے کر چکا ہے اور یہ دوسری (نفلی روزہ رکھ لینے والی) صورت ہی بظاہر افضل ہے۔“ (138)

علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے اسی سلسلہ میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا ہے جس میں اٹھائیس [۲۸] روزے رہ جانے کی شکل میں تو وہ اٹھیسواں [۲۹] روزہ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں کہ کوئی عربی مہینہ انتیس [۲۹] دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں البتہ دوسری شکل میں اگر اسے اکتیسواں [۳۱] روزہ بھی رکھنا پڑے تو وہ ارشادِ نبوی ﷺ:

((الْصَّوْمُ يَوْمٌ تَصُومُونَ وَالْإِفْطَارُ يَوْمٌ تَفْطِرُونَ))

”روزہ اسی دن سے شروع ہے جس دن سے تم سب روزہ رکھو اور عید اسی

دن ہے جس دن تم سب کی عید ہو۔“

(138) التفصیل: المجموع شرح المہذب للإمام نووی ۳۹۲-۳۹۳ طبع مصر۔ مجموع فتاویٰ امام ابن تیمیہ

اس حدیث کی روشنی میں اکتیسواں روزہ رکھنا بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ (139)

اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں اکتیسواں روزہ بھی نفلی طور پر نہیں بلکہ وجوباً رکھنا ہوگا جبکہ یہ بات موصوف کے خود اپنے قول کہ ”کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں“ کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ جس طرح کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوتا اُسی طرح ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی عربی مہینہ تیس دنوں سے بالاتفاق زیادہ بھی نہیں ہوتا جیسا کہ علامہ ابن رشد نے رمضان المبارک کے روزوں کی کم از کم تعداد ۲۹ اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ پر اجماع اُمت نقل کیا ہے۔ (140)

غرض صورتِ حال پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ روزہ رکھنا ہی افضل و احوط ہے وجوباً ہو یا نفلاً۔

طویل الاوقات علاقوں میں روزہ:

رویتِ ہلال کے ضمن میں ہی یہ بات بھی آتی ہے اور پیش بھی آسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے مقام پر قیام پذیر ہو جہاں وقت کے پیمانے الگ ہی ہوں مثلاً ہماری طرح چومیس [۲۴] گھنٹے کے شب و روز نہ ہوں بلکہ بائیس [۲۲] گھنٹوں کا دن اور دو گھنٹوں [۲] کی رات ہو یا پھر وہاں طویل عرصہ تک دن رہے اور پھر طویل عرصہ تک رات رہے تو ایسے طویل الاوقات علاقوں میں روزہ کیسے رکھا جائیگا؟

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات پیش نظر رکھیں کہ روزہ کے اوقات کے بارے میں قرآن و سنت میں تصریح موجود ہے کہ طلوع فجر سے روزے کا آغاز اور غروبِ آفتاب پر اسکا اختتام ہوتا ہے اور بعض جزوی باتوں پر معمولی اختلاف سے قطع نظر یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جس سے یہ تو ظاہر ہے کہ اسکے اصل اوقات یہی ہیں۔ جغرافیائی اور موسمی حالات کے لحاظ سے ان میں کمی

(139) بحوالہ فتاویٰ اسلامیہ ۲/۱۳۳۷ والفتاویٰ لابن باز ۱/۱۷۱، سلسلہ ”کتاب الدعوة“ الریاض وماہنامہ الفرقان - قبرص (سائپرس) وکویت جلد اول شمارہ ۴ بابت ماہ رمضان ۱۴۰۹ھ اپریل ۱۹۸۹ء
(140) بداية المجتهد ۲۸۳/۲۸۴ طبع مکتبۃ المعارف الریاض

بیشی بھی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ خود پاک و ہند میں ایسا تفاوت ہوتا رہتا ہے۔
 اب اگر کہیں اوقات کا تھوڑا بہت فرق ہو مثلاً دن بارہ [۱۲] گھنٹوں کی بجائے
 سولہ [۱۶] یا سترہ [۱۷] گھنٹوں کا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ روزہ کا حکم تب بھی یہی رہے گا۔ لیکن
 اگر کہیں غیر معمولی فرق ہو جائے مثلاً بیس [۲۰] یا بائیس [۲۲] گھنٹوں کا دن ہو جائے اور صرف
 دو چار گھنٹوں کی رات رہ جائے تو بھی قرآن و سنت کے عمومی احکام کا تقاضا تو یہی ہے کہ روزہ
 طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہو اور احناف کا فتویٰ اسی پر ہے۔ (141)

البتہ چونکہ بسا اوقات اسکی وجہ سے غیر معمولی مشقت پیدا ہو جائیگی اور عمر رسیدہ یا
 کمزور آدمیوں کے لیے روزہ رکھنا دشوار ہو جائیگا، اسلئے علماء اس بات پر غور کر سکتے ہیں کہ کیا
 دوسرے قریبی معتدل موسم کے علاقوں کی رعایت کرتے ہوئے غروب آفتاب سے پہلے روزہ
 افطار کر لینا درست ہو گا یا نہیں؟ اور اس بات کا فیصلہ کرنے میں فقہاء کے وہ خیالات بھی سامنے
 رکھے جاسکتے ہیں جن میں وہ کہتے ہیں:

(الْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ وَالضَّرَرُ يُزَالُ)

”مشقت آسانی کا باعث ہوتی ہے اور یوں ضرر زائل کیا جائے گا۔“

اور فقہاء احناف نے تو بھوک و پیاس کی ہلاکت خیر شدت کو بھی روزہ توڑنے کے لیے عذر
 قرار دیا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ایسے اعدا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہی اعدار میں
 سے بھوک و پیاس کی شدت ہے جس سے ہلاکت یا دماغی توازن بگڑ جانے کا خطرہ و اندیشہ
 ہو جائے جیسے کوئی کنیز، کام کی انجام دہی سے عاجز ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ
 رکھتی ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جسے شاہی افسر تعمیر یا زراعتی کاموں کے لیے سخت گرم دنوں میں
 کہیں لے جائے اور اسکی ہلاکت یا دماغ کے متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ (142)

(141)، دیکھیے: جدید فقہی مسائل ص ۸۵ (142) فتاویٰ عالمگیری، بحولہ سابقہ ایضاً

ایسے میں روزہ توڑنے کی تو اجازت دی گئی ہے اور ایسی نادر صورتوں میں اس پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا بلکہ صرف قضاء ہی ہوگی۔ اور اگر کہیں ایسی صورت مسلسل ہو تو اسکے بارے میں اہل علم کو سوچنا چاہیے کہ وہ لوگ اگر قریبی معتدل موسم والے علاقوں کی رعایت کرتے ہوئے غروبِ آفتاب سے پہلے روزہ افطار کر لیں تو انکے لیے جائز ہے یا نہیں؟

البتہ جہاں ایک طویل عرصہ (کئی ماہ) تک دن اور پھر اسی طرح رات کا سلسلہ رہتا ہو (جیسے قطبین اور انکے قریبی علاقے ہیں) وہاں روزہ کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جسکی بنیاد طویل الاوقات علاقوں میں نماز کے حکم پر ہے۔ ایسے علاقوں میں اندازہ سے پانچ نمازیں ادا کی جائیں گی کیونکہ نماز پنجگانہ کی فرضیت بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے اور اس بات کا پتہ خود حدیث شریف میں مذکور ایک واقعہ سے بھی چلتا ہے جسمیں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے دجال کے ظہور کے وقت ایک ایسے دن کی پیشین گوئی فرمائی ہے جو ایک سال کے برابر ہوگا اور اس حدیث میں مذکور ہے:

((فَذَالِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَتْهُ، أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَوَةُ يَوْمٍ؟
قَالَ: لَا، أَفْذَرُوا لَهُ قَدْرَهُ الْخ)) (143)

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دن جو ایک سال کے مساوی ہوگا کیا ایک دن کی نماز کافی ہو جائیگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس دن اندازہ سے کام لو۔“

اس حدیث نے گویا نمازوں کے مسئلہ کو دو ٹوک کر دیا ہے کہ انکے اوقات کے لیے اندازہ سے کام لیا جائیگا کہ ہر چوبیس [۲۴] گھنٹوں کو ایک شب و روز تصور کر کے اوقات نماز کے درمیان جو

(143) صحیح مسلم مع النووی ۹/۱۸-۶۵-۶۶، صحیح الترمذی للالبانی ۲/۲۴۹

طبع الرياض مكتبة التربية لدول الخليج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فصل ہے اسکا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے نمازیں پڑھی جائیں گی۔ کیونکہ شرح مسلم نووی میں اندازے سے کام لینے کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”فجر پڑھیں اور جب طلوع فجر اور ظہر کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گزر گیا تو نمازِ ظہر پڑھیں اور جب ظہر اور عصر کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر گیا تو نمازِ عصر پڑھیں اور پھر عصر و مغرب کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گزر گیا تو مغرب پڑھیں اور اسی طرح ہی عشاء پھر فجر ظہر پھر عصر پھر مغرب اور نمازِ عشاء۔ یہ سلسلہ اسی طرح ہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ دن ختم ہو جائے۔“ (144)

ایسے طویل الاوقات علاقوں میں جس طرح نماز کے اوقات کا اندازے سے تعین کیا جائیگا اور جس طرح نماز کی فرضیت بلا تخصیص عام ہے اسی طرح ہی ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت و حکم بھی چونکہ بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے اور یہ اُسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب ایسے مقامات پر بھی اندازے سے سال کے بارہ مہینے متعین کیے جائیں اور ان میں سے ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھے جائیں۔ اور ایسے مقامات کے باشندوں کو ان مقامات کے مطابق عمل کرنا چاہیئے جو اُن سے قریب ہیں اور وہاں معمول کے مطابق دن اور رات کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ وقت کی حیثیت محض ایک علامت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (145)

رُویۃِ ہلال کی دعاء:

رُویۃِ ہلال، اختلافِ مطالع اور بعض دیگر متعلقہ مسائل کے ذکر کے بعد یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ ہلال یا چاند ماہِ رمضان کا ہو جسے دیکھ کر اگلے دن سے روزہ رکھنا شروع کیا جاتا ہے

(144) شرح النووی علی صحیح مسلم ۹/۲۶۱۸

(145) ملاحظہ فرمائیں: جدید فقہی مسائل س ۸۲-۸۶

یا ماہِ شوال کا جسے ”ہلالِ عید“ کہتے ہیں، جسے دیکھ کر اگلی صبح عید کی جاتی ہے یا چاہے کسی بھی دوسرے مہینے کا چاند کیوں نہ ہو، اُسے جب پہلی مرتبہ دیکھا جائے تو اس موقع کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک دعاء تعلیم فرمائی ہے، چنانچہ صحیح ابن حبان، سنن دارمی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اس دعاء کے یہ الفاظ ہیں:

((اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ
وَالتَّوْفِيقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللَّهُ)) (146)

”اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! اس چاند کے ساتھ ہمارے لیے امن و ایمان، سلامتی و اسلام اور اپنے پسندیدہ و رضاء یافتہ اعمالِ خیر کی توفیق ارزاں فرما: اے ہلال! ہمارا اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔“

ترمذی میں قدرے اختصار ہے اور یہ مختصر دعاء ہی زیادہ معروف بھی ہے جسکے الفاظ ہیں:

((اللَّهُمَّ أَهْلِلْهُ [أَهْلُهُ] عَلَيْنَا بِالْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ
وَالْأَسْلَامِ رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ)) (147)

”اے اللہ! اس چاند کے ساتھ ہمارے لیے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام نازل فرما۔ اے ہلالِ نو! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہی ہے۔“

ان دونوں دعاؤں میں سے جو بھی یاد ہو کر لیں اور اگر کسی کو کوئی ایک بھی یاد نہیں تو ایک یاد کر لینی چاہیئے۔

(146) صحیح ابن حبان۔ الموارد ص ۵۹۰ تحقیق محمد عبدالرزاق حمزہ مدرس حرم مکی طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت،، دارمی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحیح الکلم الطیب للامام ابن تیمیہ ص ۹۱ طبع المکتب الاسلامی، تحفۃ الاحوذی ۴۱۴/۹

(147) ترمذی مع التحفہ ۴۱۴/۹ عن طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

انداز دعاء:

یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ چاند دیکھنے کے بعد جب تک دعاء کرتے رہیں اپنا رخ چاند کی طرف ہی کیے رہتے ہیں۔ یہ انداز دعاء درست نہیں کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسکی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((إِذَا رَأَى الْهَلَالَ فَلَا يَرْفَعُ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِنَّمَا يَكْفِي مِنْ أَحَدِكُمْ أَنْ يَقُولَ: رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ)) (148)

”جب تم میں سے کوئی شخص چاند دیکھے تو اسکی طرف سر (منہ) اٹھائے نہ کھڑا رہے بلکہ یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔“

یعنی چاند دیکھ کر صرف دعاء کر دینا ہی کافی ہے۔ اُدھر منہ کیے کھڑے نہ رہیں۔ ایک دوسرے اثر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ چاند دیکھ کر آسمان کی طرف منہ کیے کھڑے رہنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چاند دیکھ کر اپنی راہ لیں اور دعاء کر دیں۔ (149)



ماہ رمضان کی مبارک ساعات اور عام اوقات میں آپ سب کی دعاؤں کا طالب
ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان، سپریم کورٹ، الخیر
وداعیہ متعاون مراکز دعوت وارشاد
الدام، الظہر ان، الخیر (سعودی عرب)

(148) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۸۱۸ بحوالہ تحقیق الکلم الطیب للالبانی ص ۹۱

(149) ابن ابی شیبہ ایضاً